الغامی نمبر — اصلاح — رجسٹرڈ سی ۳۹

بَل یَدٰہُ مَبسُوطَتَانِ

از تصانیف جناب فخر الحکما صدر العلما مولانا الحاج
السید علی اظہر صاحب دامت برکاتہ

ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے والا رسالہ
تمامی خریداران اصلاح ۱۳۲۷ھ کے لئے تحفہ

مطبع اصلاح ضلع سہارنپور سے چھپا

مکتبۃ العلوم

ارسال الیدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
وآلہ الطاہرین اما بعد اس رسالہ کی غرض اصلی اس امر کی تحقیق
ہے کہ نماز پڑھنے مین ہاتھ کھول کر پڑھنا چاہیے جو طریقہ شیعہ ہے یا ہاتھ باندھ کر
جو طریقہ اہلسنت ہے۔ مگر اس تحقیقات کا مدار صرف کتب معتبرہ اہلسنت
پر ہے نہ کوئی روایت شیعہ لیجائیگی نہ اونکی کسی کتاب کا حوالہ دیا جائیگا۔
چونکہ اسکے قبل تین مسئلہ کی تحقیق اسی قاعدہ سے ہو چکی ہے ایک مسئلہ
کلوخ جسمین رسالہ الجمرہ تصنیف ہوا اور اوسنے تمام عالم کو بتا دیا کہ کلوخ
لینے کے بارے مین کسی طرح کی حدیث رسول اللہ سے نہین منقول ہے۔ بلکہ
تمامی اہلسنت اس مسئلہ مین حضرت عمر کی سنت پر قائم ہین جسنے ثابت کر دیا کہ
اہلسنت کا عمل طریقہ عمری پر ہے نہ سنت نبی پر۔

دوسرا رسالہ وضو جسنے بدیہی طور پر کھول دیا کہ خلاف نص صریح قرآن فامسحوا
برؤسکم وارجلکم الی الکعبین جو طریقہ اہلسنت مین جاری ہے کہ وہ

غسل قدمین کرتے ہین اسکے موجد بھی عمر صاحب ہین نہ خدا اور رسول۔ تیسرا رسالہ البسملہ ہے جسنے تمام عالم پر ثابت کر دیا کہ رسول اللہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز مین ہر سورہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو باواز بلند پڑھا کرتے تھے۔ مگر چونکہ عمر صاحب اسے نماز مین نہ پڑھتے تھے اسلئے وہی طریقہ اہلسنت مین رائج ہوا اور آیات و احادیث کے خلاف آج تک عمل کر رہے ہین خواہ اہل حدیث ہون یا حنفی۔ حالانکہ خاص طور پر صحیح بخاری مین اسکا حکم تاکیدی موجود ہے کہ پیشاب مین پوری طہارت کرو عذاب قبر بیشتر اسیوجہ سے ہوتا ہے مگر چونکہ حضرت عمر پانی سے استنجا نہ کرتے تھے بلکہ دیوار پر رگڑ لیتے یا زمین پر وہی دستور اہلسنت مین جاری ہے بلکہ اوسی صحیح بخاری مین تین کا بھی حکم ہے کہ حضرت نے قبرون پر ٹڈالیان رکھین اور بریدہ اسلمی صحابی نے اسکی وصیت کی کہ بوقت دفن اونکے ساتھ جریدتین رکھے جائین۔ مگر اہلسنت کا عمل خلاف ہے لہذا نہایت واضح طور پر معلوم ہوا کہ اہلسنت کا عمل سنت عمر پر ہے اور اہلحق شیعہ اثنا عشریہ کا عمل سنت رسول اللہ پر کہ ایک امر مین بھی سنت نبوی کی مخالفت نہین کرتے۔ تو کیا اب بھی اسکے مدعی ہو سکتے ہین کہ اونکا عمل سنت رسول اللہ پر ہے ہرگز نہین۔

اب اس رسالہ کی تقسیم ایک مقدمہ اور دو جملون پر کی جاتی ہے پہلے جملہ مین ہاتھ کھولنے کے دلائل مذکور ہونگے اور دوسرے جملہ مین ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے دلائل کا ابطال کیا جائیگا شاید کوئی مسلمان اس سے ہدایت پائے اور براہ حق قبول کرے واللہ ولی التوفیق۔

مقدمہ

اس مسئلہ مین اہلسنت کا چار مذہب ہے جسکو علامہ عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ مین ان لفظون سے لکھتے ہین۔

فصل واجمعوا علی انہ یسن وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ الا فی روایۃ عن مالک وھی المشہورۃ انہ یرسل یدیہ ارسالا وقال الاوزاعی بالتخییر واختلفوا فی محل وضع الیدین فقال ابو حنیفۃ تحت السرۃ وقال مالک والشافعی تحت صدرہ فوق سرتہ وعن احمد روایتان اشہرھما وھی التی اختارھا الخرقی کمذھب ابو حنیفۃ والسنۃ عند الثلاثۃ ان ینظر المصلی الی موضع سجودہ ص ۳۸ مطبوعہ مصر حاشیہ میزان الکبری

اجماع کیا ہے (ائمہ اہلسنت نے) کہ سنت ہے رکھنا داہنے ہاتھ کا بائین ہاتھ پر نماز مین (۲) مگر مالک سے روایت ہے اور وہی مشہور بھی ہے کہ وہ ہاتھون کو کھولکر نماز پڑہتے تھے (۳) اوزاعی قائل تخییر ہین کہ نماز پڑہنے والے کو اختیار ہے ہاتھ کھولکر نماز پڑہے یا باندہکر۔

اب اسمین اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہان رکھے جائین (۱) ابو حنیفہ کہتے ہین زیر ناف۔ (۲) مالک شافعی کہتے ہین ناف کے اوپر سینہ کے نیچے احمد سے دو روایت ہے مشہور جسے خرقی نے بھی اختیار کیا ہے۔ مطابق ابو حنیفہ ہے (زیر ناف

اور تینوں کے نزدیک یہ سنت ہے کہ مصلی نماز میں نظر کرے طرف موضع سجود اپنے۔

تو اب معلوم ہوا کہ ہر امام کا مذہب جداگانہ ہے ایک ہاتھ کھولتا ہے دوسرا سینہ پر تیسرا زیر ناف رکھتا ہے چوتھا کھتا ہے جہاں چاہو رکھو جس سے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر ضرور پہنچتا ہے کہ یہ مذہب رسول اللہ سے نہیں لیا گیا ہے نہ اونکے طریقہ پر انکا عمل ہے۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ حضرت کا کوئی خاص معمول تھا جسکے مطابق آپ نماز پڑھتے۔ اگر اس مذہب کے اصول و فروع آپسے ماخوذ ہوتے تو اونمیں یہ اختلاف نہوتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ہر طرح سے پڑھتے تھے یعنی کوئی آپکا خاص طریقہ نہ تھا۔ بلکہ جب جیسا دلمیں آیا ویسا کیا ہے۔

تو گو یہ مقولہ کسی مسلم کا نہیں ہو سکتا جو حضرت پر ایسا اتہام لگائے۔ مگر بالفرض اگر یہی بات ہے تو پھر ہر امام نے ایک خاص طریقہ اپنا کیون بنا رکھا جس سے معلوم ہوا کہ بغرض تفریق جماعت مسلمین۔ فرقہ بندی قایم کرنے کے لئے ہر امام نے ایک ایک خاص صورت نکالی کہ مسلمانوں کی جماعت متفرق ہو تاکہ معلوم ہو کون کس مذہب کا پابند ہے حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا فتذھب ریحکم شعرانی سے تعجب ہے کہ آخر اونہوں نے وضع یمین علی الشمال پر دعوے اجماع کیون کیا۔ حالانکہ اسی مقام پر وہ لکھ رہے ہیں کہ مذہب مالک ارسال ہے (ہاتھ کھولنا) اور اوزاعی کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ قائل تخییر ہیں۔

کہ مصلی مختار ہے ہاتھ کھولکر پڑھے یا باندھ کر پھر اجماع کہاں رہا

حالانکہ یہی شعرانی اپنی میزان کبریٰ مین امام شافعی سے ناقل ہین وبہ صرح الشافعی فی الام فقال وان ارسلہما ولم یعبث بہما فلا باس ص ۱۲۲

یعنی اسکی تصریح کی ہے شافعی نے ام مین کہ اگر دونو ہاتھ کھول دے اور باز نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین۔ لہذا معلوم ہوا کہ شافعی بھی ارسال کے قائل ہین اور اسکو جائز جانتے ہین۔

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ مین کوئی دلیل شرعی انلوگونکے پاس نہین ہے جس سے ہر قسم کے فتوے دیئے گئے۔ آہ آہ نماز جو عمدہ ارکان دین سے ہے بلکہ مطابق عقاید اہلحدیث اصول دین مین داخل ہے۔ اوسکی کیا گت بنائی گئی کہ ظاہری صورت پر بھی نماز کے اتفاق نہین کہ آخر نماز پڑھی جائے تو کسطرح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون نے کبھی دیکھا ہی نہین کہ رسول اللہ کیونکر نماز پڑھتے ہین۔ ہاتھ باندھتے ہین یا کھول کر پڑھتے ہین۔

ان اختلافات سے آپ اس نتیجہ پر بھی ضرور پہونچینگے کہ کوئی روایت صحیح انکے پاس نہین ہے جس سے استدلال کرسکین۔ کیونکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو اسقدر اختلافات نہوتے۔

اف رے بیخبری مسلمانون کی نماز سے اور اوسکے ارکان و آداب سے کہ اسدرجہ بیخبر رہے کہ یہ بھی نہ معلوم ہوا سنت رسول کیا تھی اور اسپر دعوے اسلام ہے۔

یہ سب نتیجہ ہے اتباع صحابہ کا جو ماخذ احکام شریعت بنائے گئے اور

اور اونکی روایت یا فعل پر مذہب کا مدار کہا گیا ورنہ اگر وہ اتباع نقلین کرتے کتاب وعترت طاہرہ سے احکام لیتے تو ہرگز کوئی اختلاف نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ شیعون مین کوئی اختلاف ہے نہ کوئی افتراق تمامی مومنین ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہین جو سنت رسول اللہ ہے۔

مصالح قبض و بسط ید اگر اس بیان شافی سے کہ اگر یہ لوگ عامل سنت رسول ہوتے تو یہ اختلاف نہوتا تشفی نہو تو مزید تسکین کے لئے اون فواید ومصالح پر نظر کیجیے جو حضرات اہلسنت نے اپنی موشگافی سے بیان فرمائے نکالی ہین۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی میزان کبری مین لکھتے ہین ص ۱۲۵ جلد اول مطبوعہ مصر

ومن ذلك اتفاق الائمة	یعنی اسی قبیل سے ہے اتفاق ائمہ
على استحباب وضع اليمين	اربعہ اسپر کہ نماز مین داہنا ہاتھ بائین
على الشمال في القيام وما قام	پر رکھنا چاہیے یا جو اسکے قایم مقام
مقامه مع قول مالك في	ہو۔ حالانکہ قول مالک مشہور ترین
اشهر روايتيه انه يرسل	روایات مین یہ ہے کہ وہ دونو ہاتھ
يديه ارسالاً ومع قول	اپنے کھولتے تھے نماز مین پوری طور
الاوزاعي انه يتخير فالاول	سے۔ اور اقول اوزاعی یہ ہے
مشدد والثاني وما بعده	کہ آدمی کو اختیار ہے چاہے کھولے
مخفف وان تفاوت التخفيف	یا باندھے۔
ووجه الاول الصورة	پس پہلا قول (باندھنے کا) مشدد ہے

العبد بين يدي سيده
وهو خاص بالاكابر من العلماء
الاولياء بخلاف الاصاغر
فان الاولى لهم ارخاء اليدين
لما قال به مالك رحمه الله
وايضاح ذلك ان وضع
اليمين على اليسار يحتاج
في اعادته الى صرف الذهن
اليه فيخرج بذلك كمال
الاقبال على مناجاة الله
عز وجل التي هي روح الصلوة
وحقيقتها بخلاف ارخائهما
بجنبيه ثم اختلفوا في محل
وضع اليدين فقال ابو حنيفة
تحت السرة وقال مالك
والشافعي تحت صدره
فوق سرته وعن احمد روايتان
اشهرهما كمذهب ابي حنيفة
واختارها الخرقي ووجه

(یعنی سختی کرنے والا) اور دوسرا
مخفف ہے۔ تخفیف کرنے والا اگرچہ
درجہ تخفیف میں تفاوت ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عبد
کی صورت سامنے اپنے آقا کے یہی
ہونی چاہئے۔ اور یہ خاص ہے
اکابر علما اور اولیا کے ساتھ بخلاف
اصاغر (چھوٹے درجہ کے لوگ) کے
اونکے لیے یہی اولی ہے کہ ارخاء
کریں (ہاتھ کھولے رہے ہیں) جیسا
مذہب مالک ہے توضیح اسکی یہ ہے
کہ دائیں ہاتھ کا رکھنا بائیں پر۔
اسکا محتاج ہے کہ ذہن ہٹا رہے
جس سے کمال اقبال یعنی توجہ
میں کمی آجائیگی۔ حالانکہ یہی روح
نماز ہے اور حقیقت صلاۃ (یعنی
ہاتھ باندھنے سے خضوع وخشوع
میں کمی ہوتی ہے) بخلاف ہاتھ
کھولنے کے دونو طرف رکھ اوسمیں

الاول خفة كونها تحت السرة
على المصلي بخلاف وضعها
تحت الصدر فانه يحتاج
الى مراعاتها لثقل اليدين
وتدليهما اذا طال الوقوف
فرجع الامر الى مرتبتي الميزان
فلذلك كان استحباب
وضع اليدين تحت الصدر
خاصًا بالاكابر الذين
يقدرون على مراعاة شيئين
معًا في آن واحد دون
الاصاغر وسمعت سيدي
عليا الخواص رحمة الله يقول
وجه قول من قال بعدم
استحباب وضع اليدين
تحت الصدر مع ورود ذلك
من فعل الشارع كون مراعاة
المصلي دوامها تحت الصدر
يشغله غالبًا عن مراعاة

خضوع مين كمي نه ہوگي)
پھر اسمين اختلاف ہے كه دونو
ہاتھ كہان ركھے جائين - ابو حنيفه
تو تحت السره كہتے ہين (زيرناف)
اور مالك وشافعي كہتے ہين تحت
الصدر فوق السره (سينه كے
نيچے ناف كے اوپر) احمد سے دو
روايت ہے مشہور وہي ہے جو
موافق ابو حنيفه ہے - اسيكو خرقي
نے اختيار كيا ہے پہلے (زيرناف)
كي يه وجه ہے كه اگر وہان ركھينگے
تو نماز پڑھنے والے پر كوئي ثقل
(بوجھ) نہوگا - بخلاف اسكے كه اگر
سينه كے نيچے ركھينگے - تو وہ اسكا
محتاج ہوگا كه ہر وقت اوسكا
خيال ركھا جائے - كيونكه ہاتھ
خود ثقيل ہے - اور فطرة وہ
نيچے لٹكا جاتا ہے جب دير تك
قيام رہے -

كمال الاقبال على مناجاة
الله عز وجل فكان ارسالهما
او جعلهما تحت السرة
مع كمال الاقبال على المناجاة
والحضور مع الله اولى
من مراعاة هيئة من الهيئات
فمن عرف من نفسه العجز
عن مراعاة كون يديه تحت
صدره في الصلوة الا مع
الغفلة عن كمال الاقبال
على الله عز وجل فارسال
يديه بجنبيه اولى وبه
صرح الشافعي في الام فقال
وان ارسلهما ولم يعبث
بهما فلا بأس ومن عرف
من نفسه القدرة على الجمع
بين الشيئين معا في آن
واحد كان وضع يديه
تحت صدره اولى وبذلك

تو اب میزان کے دونو طرف
رجوع کرنا پڑا - اسلئے مستحب ہوا
ہاتھ رکھنا سینہ کے نیچے - اکابر علما
اولیاء کے لئے جو قادر ہین دونو
امر کی مراعات کے (یعنی خضوع
کا بھی خیال رکھین - اور ہاتھونکو
سینہ کے نیچے بھی سنبھالین) نہ اصاغ
(یعنی کم درجہ والونکے لئے یہ حکم نہین
ہے)

پنے اپنے سید علی خواص رحمہ سے
سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ
اسکے قائل ہین کہ سینہ کے نیچے
رکھنا چاہیے حالانکہ یہ فعل شارع سے
ثابت ہے (باوصف ثبوت مخالف
کمال تعجب خیز ہے) تو اسکی یہ وجہ
ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور
قلب پورا نہین حاصل ہوتا حالانکہ
اصل نماز ہی حضور قلب ہے - اسی
لئے ہاتھون کا کھولنا اولی ہے

حاصل الجمع بین اقوال الائمہ رضی اللہ عنہم (۲۵) تھے۔ اور اسکی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب ام میں کہ وہ اگر ہاتھوں کو کھولدے دونو بغل کی طرف اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جو شخص اپنی نفس سے جانے کہ حضور قلب اور ہاتھونکے رکھنے کو دونو کو ساتھ ہی سنبھال سکتا ہے تو اوسکے لئے سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے اور اس طریقہ سے ائمہ اربعہ کے اقوال میں جمع حاصل ہوگا۔ تمام ہوا ترجمہ

یہ ہیں توجیہیں اور اسکا نام ہے موشگافی کس کس طرح بال کی کھال نکالی جاتی ہے۔ مگر نہ اسمیں کوئی قول رسول ہے نہ قول خدا بلکہ ائمہ اربعہ کی جدت پسندی ہے اور شعرانی کی موشگافی جسکا خلاصہ یہ ہے۔

کہ اصل مقصود بلکہ نماز کی روح کیا ہے حضور قلب۔ وہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ہاتھ کھلے رہیں کیونکہ اسوقت میں اوسکا دل ودماغ صرف خدا کی طرف متوجہ ہوگا۔ بخلاف اسکے کہ اگر ناف پر رکھے یا سینہ پر تو ہر حال میں حضور قلب میں فرق آئیگا اور پوری طور سے حضور قلب نہوگا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہتر کیا ہے ہاتھ کا کھولنا جس سے حضور قلب پوری طور سے ہو سکتا ہے کہ ہاتھ باندھنا جس سے بہر طور حضور قلب میں کمی ہوگی

اب یہاں تعصب مذہبی کو چھوڑ دیجئے اور پہلے کسی شیعہ کی مسجد میں جاکر اوسکی نماز کو دیکھئے (کیونکہ عوام کا اعتبار نہیں) پھر اوسکے بعد آپ پہلے حنفیوں کی مسجد میں جائیے۔ پھر اہلحدیث کی مسجد میں۔ اور غور کی نگاہ سے دونوں کے افعال نماز پر نظر کیجئے تو صاف معلوم ہوگا۔ شیعہ نماز کو ایک

عیادب سمجھکر پڑھ رہا ہے۔ اور سنی اپنی نوکری بجالا رہا ہے کہ جلد کام کرکے بھاگو۔

ہان شعرانی نے جو حنفی المذہب ہین ائمہ اربعہ کے اختلاف سے مسلمانونکو تین کلاس پر منقسم کیا ہے۔ ایک (اول کلاس) ادنی (اصاغر) دوسرے (سیکنڈ میڈیٹ اکابر) تیسرے (فرسٹ کلاس) اونکے بھی بزرگ۔ اصاغر یعنی پست درجہ والونکے لئے تو اسکا فتوی دیا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھین کیونکہ اسمین حضور قلب زیادہ ہے اور یہی فتوی امام مالک ہے جسکے مطلب یہ ہوئے کہ امام مالک کا درجہ پست ہے وہ ادنی درجہ کے لوگونکے امام ہین حالانکہ بالاتفاق اہلسنت اونکو سب سے معظم و محترم جانتے ہین۔

دوسرے درجہ کے امام اعظم ہین جو زیر ناف ہاتھ رکھنے کو کہتے ہین کیونکہ اسمین پھر بھی آسانی ہے اور حضور قلب بہ نسبت پہلے کے کم۔

تیسرے یعنی فرسٹ کلاس کے امام شافعی ہین جنمین زیادہ وقت ہے کہ زیر صدر ہاتھ رہے۔ اور حضور قلب بالکل نہو۔

تو اس تقسیم کا ماحصل یہ ہوا کہ جسقدر حضور قلب کم ہوگا اوسی درجہ اوسکی عزت ہے کیونکہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور قلب کی کمی ہونا لازم ہے۔ تو پھر اوسکی عظمت کے قائل ہونے کا یہی نتیجہ ہے کہ جہانتک حضور قلب کم ہو وہ بہتر ہے۔

اسکی وجہ تو آپکو معلوم ہوگی کہ اسکی ابتدا کس سے ہے شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین ابو بکر عن عروہ قال عمر انی لاحسب

جزیہ البحرین وانا فی الصلوۃ - ابوبکر عن عثمان النہدی
قال عمر لاجہز جیوشی وانا فی الصلوۃ ص ۹۳

یعنی ابوبکر عروہ سے ناقل ہین کہ کہا عمر نے بتحقیق مین حساب کرتا ہون جزیہ شہر بحرین کا نماز مین اور ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ کہا عمر نے مین تو اپنا لشکر طیار کرکے روانہ کردیتا ہون حالانکہ مین نماز پڑھ رہا ہون۔

تو اب معلوم ہوا کہ اصلی اسکی وجہ کہ حضور قلب والی نماز پست درجہ کی ہے اسیوجہ سے ہے کہ خلیفہ دوم کے دستور العمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اونکی نماز تو صرف اسلام کی پردہ داری کے لیئے تھی۔ مگر افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب کو اس مسئلہ خاص مین کوئی روایت نہ ملی کہ آخر حضرت عمر نماز کیونکر پڑھتے تھے ہاتھ کھول کر یا باندھ کر مگر جب یہ مسلم ہوچکا کہ ہاتھ باندھنے سے حضور قلب مین فرق آتا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہون کیونکہ جزیہ وغیرہ کا حساب لشکر کی روانگی بھی تو توجہ قلب پر منحصر ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھین - اور آیندہ معلوم ہوگا کہ تمامی اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھین -

یہان اگر نماز جناب امیر پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے تو معلوم ہو کہ اوسکی کیا حالت تھی کیونکہ تمام عالم کو معلوم ہے حضرت اس حضور قلب سے نماز پڑھتے تھے کہ پائے مبارک سے تیر نکال لیا جاتا تو آپکو اوسکے درد والم کا احساس نہوتا حالانکہ قبل نماز اوسکا نکالنا نہایت موذی اور تکلیف دہ تھا کہ نکل نہ سکتا تھا۔

بہرحال ان تحقیقات سے اسقدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضور قلب صرف اوسی صورت مین حاصل ہوسکتا ہے جب ہاتھ کھلے رہین۔ اور ہاتھ باندھنے مین وہ بات کسی طور سے نہین حاصل ہوسکتی۔ تو اب جنلوگونکو نماز بحضور قلب پڑھنا ہو اونکو یہی لازم ہے۔

ہان یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ تقسیم کس قاعدہ سے کی گئی ہے کیا خدا کا کوئی حکم ہے یا رسول کا کہ تم آدمیونکو تین حصہ پر تقسیم کرو ایک اکابر۔ دوسرے اوسط تیسرے اصاغر اور تینون کے لئے نماز کی ہیئت کا حکم جداگانہ ہے۔ اگر یہ تقسیم شارع علیہ السلام سے ثابت ہوجائے تو بہتر والا آیہ فمن یشاقق الرسول پر خیال کرنا چاہیئے۔

قرآن سے استدلال ہاتھ باندھنے پر اب اسپر اور ترقی کیجئے تو ایک ایسا زعفران زار کشمیر نظر آئے کہ سارے نظارونکو آپ بھول جائیں کیونکہ یہی علامہ شعرانی اپنے شیخ اکبر محی الدین عربی کا ایسا لطیفہ نقل کرتے ہین جس سے سننے والونکے پیٹ مین بل پڑجائے کیونکہ اونہونے قرآن سے بلکہ خود سورہ الحمد للہ سے اسکو ثابت کردیا ہے کہ نماز مین ہاتھ باندھنا چاہیئے دیکھئے علامہ شعرانی کبریت احمر فی علوم الشیخ الاکبر مین لکھتے ہین ص ۵۷ برحاشیہ الیواقیت والجواہر۔

ذکر الشیخ فی الباب التاسع و الستین وثلثمائۃ حافظہ اعلم ان من آداب الوقوف	یعنی شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۹ مین لکھا ہے کہ اداب وقوف سے سامنے خداوند عزوجل کے تذلل

بين يدى الله تعالى فى
الصلوة الذل والمسكنة و
التكنف شغل العبد الذليل
فى حال مناجاة سيده وقد
وردت السنة بذلك وهو
عندى احسن من اسبال
اليدين قال وايضاح ما قلناه
ان الله تعالى قسم الصلوة
بينه وبين عبده نصفين فجزء
منها يخلص لله من اولها
الى قوله مالك يوم الدين
فهذا بمنزلة اليد اليمين اشارة
للقوة الالهية قال تعالى
لاخذنا منه باليمين والجزء
الاخر يخلص للعبد من قوله
اهدنا الى اخر السورة فهذا
بمنزلة اليسرى الذى هو
الجانب الاضعف الاصغر
قال ولما كان جزء منها بين

وسکنت ہے۔ اور ہاتھ باندھنا شغل
عبد ذلیل ہے وقت مناجاۃ خداوند
عزوجل۔ اور اسیکے مطابق سنت
بھی وارد ہے۔ اور یہ میرے نزدیک
ہاتھ کھولنے سے افضل ہے توضیح
اسکی یہ ہے کہ خدا نے نماز کو دو حصہ پر
تقسیم کیا ہے ایک حصہ اپنے لئے اور
ایک حصہ بندہ کے لئے۔ پس جو جزو
کہ خالص ہے خدا کے لئے اوسکی ابتدا
بسم اللہ سے ہے مالک یوم الدین تک
یہ بمنزلہ دست راست کے ہے جسمیں اشارہ
ہے طرف قوت الٰہیہ کے کہ خدا فرماتا ہے
واخذناہ بالیمین۔
اور دوسرا جزو جو خاص بندہ کا حصہ ہے
وہ شروع ہوتا ہے اھدنا الصراط
المستقیم سے آخر سورہ تک پس
یہ بمنزلہ دست چپ ہے جو جانب ضعیف
وصغیر ہے۔
اور چونکہ ایک جزء اس سورہ کا مشترک

الله وبين عبده وهو قوله
اياك نعبد واياك نستعين
جمع العبد بين يدي في الصلوة
مجامع المناجاة فكملت صفة
العبد بجمعه بين يديه ولو
اسبل يديه لم تكمل صفته
فانظر الى هذه الحكمة ما
اجلاها الذي عينين انتهى
ثم لا يخفى انه اذا كان جعل
اليدين على الصدر تشغل
العبد عن مناجاة ربه فارسالهما
اولى فالتحقيق ان جعل اليدين
على الصدر للكملاء الذين
لا يشغلهم ذلك عن الله تعم
وان ارسالهما اولى لغير الكمال
اذ مراعاة وضعهما على الصدر
يشغل عن كمال التوجه فليتامل
والله اعلم ص ۵ برحاشیہ
البواقیت والجواہر

ہے درمیان خدا اور بندہ کے کہ وہ
آیہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے
لہذا بندہ کے جمع کرنیسے دونون
ہاتھون کے سامنے خداوند عالم کے
کامل ہوتی ہے صفت عبودیت۔
اور دیکھو یہ کیسی حکمت ہے جو واضح
ہے صاحب معرفت کے لئے۔
خود شعرانی بعد نقل اس عبارت کے
لکھتے ہین کہ جب ہاتھونکا رکھنا سینہ
۔انسان کو باز رکھتا ہے مناجات
خدا سے۔ تو ہاتھونکا کھولنا اولی ہے
پس تحقیق یہ ہے کہ ہاتھونکا رکھنا
پر اون کاملون کے لئے ہے جنہین
اسطرح کے ہاتھ رکھنے سے مناجات
خدا مین فرق نہ آتا ہو۔ اور ہاتھونکا
کھولنا اولی ہے۔ غیر صاحب
کے لئے کیونکہ ہاتھون کے رکھنے
کا خیال باز رکھتا ہے مناجات
اور کمال توجہ سے۔

اس کا نام معرفت اور اس کا نام ہے تحقیق کہ کس خوبصورتی سے ہاتھ باندھنے کو قرآن سے نہیں بلکہ سورۂ الحمد سے ثابت کر دیا کیونکہ سورہ الحمد کا نصف حصہ خدا کے لئے ہے وہ دایان ہاتھ ہوا۔ اور نصف حصہ بندونکے لئے وہ بایان ہاتھ ہوا۔ اور چونکہ ایک آیہ مین خدا اور بندہ دونو شریک ہین لہذا دونو ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا چاہیے۔

کیا کہنا ہے اس تحقیق کا اور کیا کہنا ہے اس عرفان کا کہ مارین سر پہوٹے گھٹنا اسی کا نام ہے۔

لطیفہ شب قدر

یہان بے اختیار وہ لطیفہ یاد پڑتا ہے کہ خلیفہ دوم کے سامنے لیلۃ القدر کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ کون سی شب ماہ مبارک رمضان مین لیلۃ القدر ہے۔ یہ معمی کسی طرح حل نہوتا تھا لہذا خلیفہ دوم نے حضرت ابن عباس سے فرمایش کی غوطہ لگا کر لیلۃ القدر کا پتہ لگاؤ۔ ابن عباس نے چنکیو نمین حل کر دیا کہ لیلۃ القدر مین نو حرف ہے۔ اور تین مرتبہ اسکا ذکر سورۃ القدر مین آیا ہے لہذا ۹ کو تین مین ضرب دو تو ۲۷ حاصل ہوتے ہین۔ پس یہی شب قدر ہے اور اسی پر تمامی اہلسنت کا عمل ہے کہ ۲۷ کو شب قدر مناتے ہین۔

جس مذہب کا یہ استدلال ہو اور اسطرح مذہب قایم کیا جاتا ہو پھر اوس مذہب کا کیا ٹھکانا اور کیا حساب کہ جدہر کا جوڑ چاہا جدہر لگا دیا اور ایک مسئلہ گڑھ لیا۔

اگر آپکو میرا کلام باور نہ آئے تو تحقیقات اہلسنت ملاحظہ فرمائین کہ

وہ کن لفظون سے اس تحقیقات کو لکھتے ہین اور پھر شرماتے ہین۔
تفسیر کبیر مین ہے صفحہ ۶۲۳ جلد ۸۔

وثالثها نقل عن ابن عباس انه قال ليلة القدر تسعة احرف وهو مذكور ثلث مرات فيكون السابعة والعشرين

اور فتح الباری مین ہے۔ وقد استنبط بعضهم ذلك من جهة اخرى فقال ليلة القدر تسعة احرف اعيدت في السورة ثلث مرات فذلك سبع وعشرون ص ۳۲۳ جلد ۲

ترجمہ تفسیر کبیر یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ اونہونے کہا لیلۃ القدر مین نو حرف ہے اور تین مرتبہ سورہ مین آیا ہے لہذا ۲۷ تاریخ شب قدر ہے۔

اور فتح الباری مین ہے کہ بعض لوگون نے دوسری طرح سے استنباط کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے نو حرف ہین اور سورہ مین تین مرتبہ اوسکا اعادہ کیا گیا لہذا ۲۷ شب قدر ہے۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اوسی فتح الباری مین ہے وزعم ابن قدامہ ان ابن عباس استنبط ذلك من عدد كلمات السورة و قد وافق قوله فيها هي سابع كلمة بعد العشرين وهذا نقله ابن حزم عن بعض المالكية وبالغ في انكاره نقله ابن عطية في تفسيره وقال انه من ملح التفاسير وليس من متين العلم ص ۳۲۳ جلد ۲

یعنی ابن قدامہ نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن عباس نے ۲۷ تاریخ کا استنباط کیا ہے عدد کلمات سورہ سے تو لفظ ھی ستائیسوان کلمہ پڑا لہذا معلوم ہوا کہ یہی تاریخ شب قدر ہے۔ اس کو نقل کیا ہے ابن حزم نے بعض مالکیہ سے اور پھر بہت مبالغہ کیا ہے اسکے رد میں اور نقل کیا ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں اور کہا یہ ملح تفاسیر سے ہے نہ متین علم سے۔

اس تحریر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہلسنت کا مدار کن اصول پر ہے کہ نہ قول خدا سے کام ہے نہ حدیث رسول سے بلکہ توہمات وخیالات پر اور کن [illegible] کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں اور شب قدر کا حال معلوم ہی ہوا کہ کہیں ۹ کو تین میں ضرب دیتے ہیں کہیں کلمات سورہ کو گنتے ہیں حالانکہ خود اونکے یہاں باتفاق اکثر اہل علم ثابت ہے کہ یہی ۲۳ رمضان شب قدر ہے مگر شیعوں سے مخالفت کرکے ۲۷ بنایا گیا

اسی پر ہاتھ باندھنے کو نماز میں قیاس فرمائیے کہ محض اس سے کہ شیعہ مطابق سنت رسول ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہیں اسلئے اونہوں نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا شروع کیا۔

جیسا کہ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا بہ آواز بلند کہنا۔ اسلئے ترک کیا گیا کہ شیعان مصر جو خلیفہ تھے باواز بلند کہا کرتے ہیں جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے

فلما ترک الجھر بالبسملۃ فی جوامع بغداد لان العلویین اصحاب مصر کانوا یجھرون بھا فترک ذلک مخالفۃ لھم لا اتباعا للمذھب

احمد الامام ص۱۱۳ جلد ۱۰

یعنی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا نماز مین بغداد کی مسجد دمنین اس وجہ سے موقوف کیا گیا کہ خلفائے علوین جو مصر مین تھے بہ آواز بلند کہا کرتے تھے اونکی مخالفت کے خیال سے موقوف کر دیا گیا نہ اسوجہ سے کہ یہ مذہب امام احمد بن حنبل تھا۔

جہر بسم اللہ | خلفائے علوین کی خلافت مصر مین ۲۹۷ھ سے قایم ہوئی پہلے اودکہر زیادہ توجہ نہ ہوئی۔ مگر بعد کو بہت کوشش کی گئی کہ وہ مٹادی جائے۔ مگر چند روزون مین اوسکی قوت اتنی بڑھ گئی کہ خود بغداد مین اونکے نام کا خطبہ پڑہا گیا۔ مگر آخر مین دونو خلافتین مٹ گئین۔ لہذا اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ایک عرصہ تک بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری رہا۔

اس ترک بسم اللہ کی ابتدا اگرچہ شیخین سے ہوئی مگر بعد اونکے جناب امیر المومنینؑ کی بدولت یہ سنت رائج ہو چکی تھی کہ معویہ نے پھر سنت شیخین کو عداوت جناب امیرؑ سے رائج کرنا چاہا دراسات اللبیب مین ہے ومنہا ترک التسمیۃ فی الصلوۃ جہرا لما قدم المدینۃ المطہرۃ انکرت علیہ ذلک المہاجرون والانصار وقالوا سرقت التسمیۃ یا معویہ ص۶۰

یعنی معویہ کی بدعتونسے ہے کہ جب مدینہ آیا تو اوسنے نماز مین بسم اللہ کو بہ آواز بلند کہنا ترک کیا جسپر ہر طرف سے مہاجرین وانصار نے غل مچایا کہ بسم اللہ کو

چرا لیا۔ اے معویہ جس سے معلوم ہوا کہ خلافت علوی مین مصر کے قبل بھی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری تھا معویہ نے جبراً چاہا کہ موقوف کرے مگر نہو سکا

یہ مسئلہ قدیم الایام سے اختلافی ہے اور مذہب حق یہی ہے کہ ہر نماز مین بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بہ آواز بلند کہنا چاہیے چنانچہ رسالہ البسملہ مین پوری تحقیق اسکی کردی گئی ہے۔ یہان بمناسبت مقام میزان کبری شعرانی کی عبارت کافی ہے لکھتے ہین صفحہ ۱۲۵ جلد اول۔

ومن ذلك قول الامام ابي حنيفة ومالك ان البسملة ليست من الفاتحة فلا تجب مع قول الشافعي واحمد انها منها فتجب وكذلك القول في الجهر بها فان مذهب الشافعي الجهر بها ومذهب ابي حنيفة الاسرار بها وكذلك احمد وقال مالك يستحب تركها والافتتاح بالحمد لله رب العالمين وقال ابن ابي ليلى يتخير وقال النخعي الجهر بها بدعة فرجع الامر في المسئلتين الى ما بيني الميزان ووجه الاول في المسئلة الاولى والثانية الاتباع۔

یعنی انہین اختلافات سے مسئلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے کہ ابو حنیفہ مالک کہتے ہین۔ وہ جزو سورۃ الحمد نہین ہے لہذا واجب نہین۔ قول شافعی و احمد یہ ہے کہ جزو سورہ ہے لہذا واجب ہے اب اسمین اختلاف ہے کہ جہر کرنا چاہیے شافعی قائل جہر ہین کہ بلند آواز سے کہو۔ مذہب ابو حنیفہ یہ ہے (کہ اگرچہ واجب نہین ہے مگر) کہو تو آہستہ۔ یہی مذہب احمد ہے۔ مالک قائل ہین کہ ترک بسم اللہ مستحب ہے الحمد سے شروع کرنا چاہیے۔ ابن ابی لیلی قائل تخیر ہین۔ چاہے کہے یا نہ کہے۔ نخعی قائل

فقد ورد انه صلی اللہ علیہ
وسلم کان یقرءھا مع الفاتحۃ
تارۃً ویترکھا تارۃً اخری
فاخذ کل مجتھد بما بلغہ من
احدی الحالتین وفی ذالک
تشریع للاکابر والاصاغر من
اھل الکشف والحجاب فمن
رفع حجابہ حین دخل فی
الصلوۃ وکان مشاھداً
للحق تعالی بقلبہ فالمناسب
ذکر الاسم الذی ھو شعاراً
اھل الحجاب ومن لم یکشف
حجابہ فالمناسب لہ ذکر
الاسم الشریف لیتذکر بہ
صاحب الاسم کما ورد فی
بعض الھواتف الربانیۃ اذا
لم ترنی فالزم اسمی فاخذنا
من ھذا ان من راٰہ بقلبہ
لا یؤمر بذکر اسمہ ومن ھنا

ہیں کہ جہر کرنا بدعت ہے ثواب
یہ مسئلہ میزان میں دو امر کیطرف
راجع ہے۔ وجہ اول دونو
مسئلہ میں اتباع ہے کیونکہ دار
ہوا ہے کہ حضرت کبھی پڑھتے تھے
کبھی نہ پڑھتے تھے جس مجتہد کو
جیسی روایت پہونچی اوسپر
عمل کیا (غرض رسول اللہ نے
خود اختلاف ڈالا)
اس اختلاف سے اکابر و اصاغر
کے لئے دو حکم علحدہ ہوئے جسکا
حجاب مرتفع ہوا مرتبہ کشف میں
پہونچا اور خدا کے مشاہدہ سے
فائز ہوا اوسکو تو مناسب نہیں
کہ خدا کا نام لے کیونکہ حضور میں
حاضر ہے۔ اور جسکو یہ درجہ نہیں
حاصل ہوا اوسکو کہنا چاہیے۔ اسکی
طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے
کہ خدا کے یاد کرنے سے گناہ بڑھتے

العز بعضهم ذلك في شعره
فقال ؎

بذكر الله تزداد الذنوب
وتنطمس البصائر والقلوب
وذكر الله افضل كل شيء
وشمس الذات ليس لها مغيب

ويؤيد ذلك قول الشبلي
رحمه الله حين قالوا له متى
تستريح فقال اذا صار الله
تعالى ذاكرا اي لان الذكر
لا يكون الا في حال الحجاب
عن شهود المذكور فما تمنى
الشبلي الا حضرة الشهود
لانها وهي التي لا يرى الله
تعالى فيها ذاكرا بلسانه اكتفاء
بمشاهدته تعالى ومناجاته
بالقلب وحضرة الحق تعالى
بهت وخرس لشدة ما يطرق
البها من الهيبة والتجلي

ہین - اور آنکہ اور دل اندہے
ہو جاتے ہین - حالانکہ ذکر خدا
ہر شی سے افضل ہے - اور شمس ذات
کبھی غائب نہین ہوتا - اسیکا مویدہے
قول شبلی کہ کسی نے پوچھا تمکو کب آرام
ملتا ہے - کہا جب دیکھتے ہین کہ خدا
کا کوئی یاد کرنیوالا نہین ہے - کیونکہ
ذکر ہمیشہ حالت غیبت مین ہوتا ہے
لہذا شبلی نے خواہش کی کہ ہمیشہ شہود
رہے - کیونکہ اوسیوقت خدا کے یاد
کرنیوالے کو نہین دیکھتے -
مینے اپنے بہائی افضل الدین کو
سنا کہتے تھے کہ ذکر خدا زبان سے
اصاغر و اکابر سبکے لیے مشروع ہے -
کیونکہ حجاب عظمت کسیکے لیے کبھی
نہین اٹھتا مگر انبیا کے لیے لہذا حجاب
کا ہونا ضروری ہے مگر وہ دقیق ہے
یہ کلام نہایت نفیس ہے جو کسی کتاب
مین نہین ملتا - سید علی خواص کہتے

قال تعالی وخشعت الاصوات
للرحمن فلا تسمع الا همسا
وسمعت اخی افضل الدین
رحمہ اللہ یقول الذکر باللسان
مشروع للاکابر والاصاغر
لان حجاب العظمۃ لا یرتفع
لاحد الا للانبیاء فلا بد من
حجاب لکنہ یدق فقط انتہی
وھو کلام نفیس لا یوجد فی
کتاب وسمعت سیدی علیا
الخواص رحمہ اللہ یقول
ذکر اللہ تعالی علی نوعین ذکر
لسان وذکر حضور کما ان
ترک الذکر کذلک علی نوعین
ترک من حیث الغفلۃ وترک
من حیث الحضور والخشیۃ
فالاول من الذکرین مفضول
والثانی فاضل لا یرد من الترکین
مذموم والثانی محمود وھو

تھے کہ ذکر خدا دو قسم پر ہے ذکر لسان
ذکر حضور جیسا کہ ترک ذکر بھی دو
قسم پر ہے ایک ترک غفلت دوسرے
ترک حضور و دہشت۔ پہلا ذکر مفضول
ہے اور دوسرا فاضل۔ اور دونو
ترک سے پہلا ترک غفلت مذموم ہے
اور دوسرا محمود۔ اسی پر قول شبلی
محمول ہے۔
سید علی مرصفی کہتے تھے کہ آنحضرت
اسوجہ سے کبھی بسم اللہ کہتے تھے اور
کبھی نہیں کہتے تھے کہ امت کیلئے
جنمیں ضعیف و قوی سب داخل ہیں
ایک شریعت قائم ہو۔ ورنہ حضرت
تو ہر وقت مرتبہ شہود میں رہتے تھے
سید علی خواص کہتے ہیں خدا نے
اسلئے اکابر کو حکم دیا جہر بالقراءۃ
(بہ آواز بلند پڑھنا) کہ اگر ایسا نہ ہو
تو پھر کسیکو جرات نہ ہوتی کہ کوئی
کلمہ کہہ سکے کیونکہ ہیبت خدا اور عالم

الذی حملنا علیہ قول الشبلی
انفا وسمعت سیدی علیا
الموصفی رحمۃ اللہ تعالی یقول
انما کان رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم یترک البسملۃ
فی بعض الاوقات ویذکرھا
فی بعض الاوقات تشریعا
لضعفاء امتہ واقویائھم
والا فھو صلی اللہ علیہ وسلم
حاضر مع ربہ علی الدوام
لانہ ابن الحضرۃ واخو الحضرۃ
وامام الحضرۃ۔ وسمعت سیدی
علیا الخواص رحمۃ اللہ تعالی
یقول لولا ان اللہ تعالی امر
الاکابر بالجھر بالقراءۃ والاذکار
اذا وقفوا بین یدیہ فی الصلاۃ
ما جترء احد منھم ان ینطق
بکلمۃ لعموم الھیبۃ لاھل
تلک الحضرۃ ولکن ربما تجلی

اس قسم کے لوگوں پر وقت محیط رہتی
ہے۔ مگر بعض اوقات اس طرح کی
تجلی ہوتی ہے جو طاقت بشری کے
مافوق ہے جس سے نہ تکبیر کہہ سکتا ہے
نہ جہر کر سکتا ہے۔ تو یہ اس قسم سے ہے
کہ حضرت فرماتے مجھے اسوجہ سے نسیان
ہو جاتا ہے کہ لوگ میری پیروی کریں
تمام ہوا ترجمہ
میری غرض اس مسئلہ کی
تحقیقات یہاں نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا
ہے کہ شریعت رسول اللہ کس طرح
تباہ کی گئی ہے اور کس طرح کا
اختلاف ڈالا گیا ہے جو قیامت
تک مٹنے والا نہیں حالانکہ بقول
فخر رازی۔ یہ امر متواتر ثابت ہے
کہ رسول اللہ بآواز بلند بسم اللہ
پڑھا کرتے۔ پھر یہ لوگ کیونکر اسکے
مدعی ہو سکتے ہیں کہ ہم سنت
رسول کے عامل ہیں۔

له الحق تعالی فی بعض الاوقات بما هو فوق طاقة فعجز عن الجهر بالبسملة او بالتکبیر فیکون ذلک من باب قوله صلی الله علیه وسلم انما انسی لیسن لی فافهم۔

سب سے زیادہ خرابی ان صوفیوں نے ڈالی ہے جو اولیاء کرام کہے جاتے ہیں اور اسطرح کی خرابی شریعت میں ڈالتے ہیں جسکی کوئی انتہا نہیں۔ شریعت کو دو حصہ پر منقسم کر رہے ہیں ایک اولیا کیلئے دوسرے معمولی آدمیوں کے لئے۔ اور درجہ رسول اوسمیں معمولی انسان کے برابر قرار دیتے ہیں۔

رجوع اصل مسئلہ کی طرف بہرحال اصل مسئلہ کے متعلق اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ حضور قلب کیلئے یہی مناسب ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھی جائے۔ اور ہاتھ بلند کرکر نماز پڑھنے میں حضور قلب نہیں ہوتا۔ تو ایسا امر کرنا کب جائز ہوگا جس سے اصلی مقصد نماز فوت ہو۔

جملہ اولی دلائل رسالہ ہذا

اب ہم یہاں اون دلائل شرعیہ کو لکھتے ہیں جس سے اسکا اثبات کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہئے اور یہی سنت رسول اللہ ہے۔

اہلسنت کے یہاں دلائل شرعی چار ہیں۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس مگر اہلحدیث قیاس کے منکر ہیں۔ اور اجماع بھی کلام ہے۔ مگر یا انہیں اوسکے قائل ہیں لہذا انہیں تینوں دلیل سے ہمکو کام لینا پڑیگا۔

کتاب اللہ کے نسبت اہلسنت کا قطعی فیصلہ ہے کہ نماز کی نہ ہیئت اسمیں

مذکور ہے نہ ارکان و فرض و سنن بلکہ انسب کا ماخذ قول یا فعل رسول اللہ ہے۔ مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے اصل انکے یہان قول یا فعل صحابی ہے۔ حالانکہ زبانی اس سے بھی انکار ہے کہ کہتے ہین قول و فعل صحابی حجت نہین۔ مگر جس مسئلہ مین دیکھا جائے اصل الاصول انکا یہی ہے کہ قول یا فعل صحابی ہے مگر تاہم آیہ افنجعل المسلمین کالمجرمین بتا رہا ہے کہ مسلمانون کی شان مثل مجرمون کے نہونا چاہیئے۔ اب خود غور کر لیجئے کہ ہاتھ باندھنے مین کیا شان پیدا ہوتی ہے آیا وہ کالمجرمین بنتے ہین یا نہین۔

دوسرے آیہ فاستقم کما امرت ہدایت کرتا ہے استقامت کی۔ اور استقامت ظاہری حالت صلوۃ مین ارسال یدین سے حاصل ہوتا ہے نہ ہاتھ باندھنے سے لہذا ارسال افضل ہے قبض ید سے کیونکہ خداوند عالم لج ہونے کی مذمت کرتا ہے

والذین متبعون ھا عوجا

ان آیات سے اگرچہ فقہا نے ہاتھ کھولنے پر استدلال نہین کیا ہے۔ لہذا مین بھی اس سے استدلال نہین کرتا مگر اہل فہم کو اسطرف اشارہ کرتا ہون کہ وہ غور کرین

احادیث عمدہ ادلہ فریقین کل احکام شرعیہ مین حدیث ہے کیونکہ احکام قرآن مجمل ہین اور احادیث مین اوسکی تفصیل ہے جس سے فریقین استدلال کرتے ہین اور احکام فقہیہ کو ثابت

کتب احادیث اہلسنت مین نہ کوئی قول رسول اس بارے مین ہے نہ فعل رسول۔ اور جو حدیث کہ حضرت کی طرف منسوب ہے اوسکی حقیقت دوسرے جملہ مین دکھائی جائیگی۔ لہذا یہان صرف حدیث

صحابہ پیش کئے جاتے ہیں جو عمدہ اصول دین اہلسنت ہے کیونکہ قول
وفعل صحابہ کے مقابل میں اونکے نزدیک نہ قول خدا قابل اعتبار ہے۔
نہ حدیث رسول۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

من کان یرسل یدیہ فی الصلوۃ حدثنا
ھشیم عن یونس عن الحسن ومصرح
عن ابراھیم انھما کانا یرسلان یدیھما
فی الصلوۃ۔ ثنا عفان ثنا یزید بن
ابراھیم سمعت عمرو بن دینار کان
ابن الزبیر اذا صلی یرسل یدیہ ثنا
ابن علیہ عن ابن عون عن ابن
سیرین انہ سئل عن الرجل یمسک
بیمینہ بشمالہ قال انما فعل ذلک
من اجل الدم ثنا عمر بن ھرون
عن عبد اللہ بن یزید قال ما رایت
ابن المسیب قابضا یمینہ فی الصلوۃ
کان یرسلھما ثنا یحیی بن سعید
عن عبد اللہ بن الغراف قال کنت
اطوف مع سعید بن جبیر فرای
رجلا واضعا احدی یدیہ

(باب) اون لوگون کا بیان جو ہاتھ اپنے
کھولتے تھے نماز میں ہشیم یونس سے
وہ حسن سے اور مصرح سے وہ ابراہیم
سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دونو ہاتھ
میں ہاتھونکو کھول دیتے تھے عفان
یزید بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں
کہ سنا میں نے عمرو بن دینار کو کہ ابن الزبیر
جب نماز پڑھتے تو اپنے دونو ہاتھ
کھول دیا کرتے۔ ابن علیہ ابن عون
سے ابن سیرین سے روایت کرتے
ہیں کہ اونسے سوال کیا گیا اس بارے میں
کہ داہنا ہاتھ پکڑیں بائیں ہاتھ سے
تو کہا نہیں کیا تھا اسکو بسبب خون کے عمر
بن ہرون عبد اللہ بن یزید سے روایت
کرتے ہیں کہ کبھی میں نے ابن المسیب کو
داہنا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہ دیکھا نماز

علی الاخری ھذہ علی ھذہ او ھذہ علی ھذہ فذھب نفر قبیصا ثم جاء۔	مین وہ دونو ہاتھ پھیلا دیتے تھے یحیی بن سعید عبد اللہ بن عزار سے روایت ہے کہ مین ایکدفعہ سعید بن جبیر کے

ساتھ طواف کر رہا تھا ایک آدمی کو اونھون نے دیکھا کہ یہہ ہاتھ اسپر رکھے ہین (داہنا بائین پر) یا یہہ اس ہاتھ پر (بایان دائین پر) تو وہ گئے اور دونو ہاتھون کو اوسکے جدا کیا پھر واپس آئے۔

ان احادیث مین ایک حدیث عبد اللہ بن زبیر کی ہے جو خود صحابی ہین اور حضرت زبیر صحابی کے فرزند اور حضرت عائشہ کے بھانجے حضرت اسما کے فرزند جو سب صحابی ہین۔ حضرت ابوبکر کے نواسہ جو خود مکہ معظمہ مین مدتون خلیفہ اہلسنت رہے۔ اور اہلسنت اونکو نہایت عابد و زاہد مانتے ہین۔ اونکا فعل اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے۔

انکی وفات ۷۳ھ مین ہوئی کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے پھانسی دیا۔ اور مقبرہ یہود[1] مین خاص مکہ مین مدفون ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ تک ہاتھ کھولنے کا رواج تھا۔ کیونکہ اہلسنت یہ کہہ نہین سکتے اونکا یہ فعل خود رائی سے تھا کہ اپنے دل سے جسطرح چاہتے نماز پڑھتے

---

[1] اسماء الرجال مشکوۃ عبد الحق دہلوی مین ہے ووقف ابن عمر علیہ فقال السلام علیک یا ابا خبیب السلام علیک یا ابا خبیب اما واللہ لقد کنت اتہاک عن ھذا فما رایتک الا تالیا اما واللہ لقد کنت لذی علمت صواما قواما وصولا للرحم فبلغ الحجاج موقف عبد اللہ فارسل الیہ وانزلہ عن جذعہ فالقی فی قبور الیہود من اعلی

بلکہ لامحالہ یہی کہنا پڑیگا کہ رسول اللہ کو اور خلفائے ثلثہ اور اپنی خالہ جان و اماجان کو یونہی نماز پڑہتے دیکھا تھا۔ اسلئے اسیطرح پڑہا کرتے۔

محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ سعید بن جبیر المتوفی سنہ ۹۵ حسن بصری المتوفی سنہ ۱۱۰ سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ سب کے سب نماز ہاتہہ کہول کر پڑہا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ عام طور سے صحابہ و تابعین کا یہی معمول تھا کہ وہ نماز ہاتہہ کہول کر پڑہتے۔

انکے نسبت کون شخص اہلسنت سے یہ گمان کرسکتا ہے کہ یہ فعل اونکا اپنی طبیعت اور رائے سے تھا بغیر اسکے کہ سنت رسول یہی تھی اور حضرت اسیطرح نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے یہ لوگ بھی اسی طرح پڑہتے۔ کیونکہ یہ لوگ معمولی اشخاص نہیں ہیں انکے اقوال و احادیث پر بنائے مذہب اہلسنت ہے۔ ابن سیرین جنکا نام محمد ہے اونکے نسبت شیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

محمد بن سیرین ابو بکر البصری احد الاعلام کان فقیہا عالما فاضلا زاھدا ورعا محدثا من مشاھیر التابعین واجلتہم ثقۃ حجۃ حافظ متقن یعبر الرویا کثیر العلم والورع کثیر الصمت لہ سبعۃ اوراد باللیل لقی صددا کثیرا من الصحابۃ قال ھشام ادرک من اصحاب النبی ثلثین نفسا واشتھر بفنون علم الشریعۃ وکان من اورع اھل البصرۃ و سمع ابن عمر۔ و انس و عمران بن حصین۔ وابی ھریرۃ و زید بن ثابت و من سواھم۔ مات سنۃ عشرۃ ومائۃ بعد الحسن

بمابہ لیلہ وھو ابن سبع وسبعین سنۃ ص۱۳۶ النسخۃ قلمی

اور سعید بن جبیر کی نسبت رقمطراز ہیں۔

سعید بن جبیر بضم الجیم وفتح الموحدۃ وسکون التحتانیہ بن
ھشام الاسدی الوالبی بالواو وکسر اللام مولی بنی والبہ بطن
من اسد بن خزیمہ نسبۃ الی والبہ بن عمر بن الحارثۃ کوفی من اعلام
التابعین سمع ابا مسعود وابن عباس وابن عمر وابن الزبیر و
انسا واکثر روایتہ من ابن عباس وقرء علیہ علم التفسیر والقراءۃ
وھو فی القراءۃ مھارۃ تامۃ حتی انہ یروی انہ اتم فی رمضان وقراء فی
کل لیلۃ بغیر قراءۃ قراءھا فی الاخری وروی عنہ الاعمش وعمرو بن
دینار وابو ایوب وابو بشر وامم۔ قتلہ الحجاج بن یوسف فی شعبان
سنۃ ۹۵ خمس وتسعین ولہ تسع واربعون ص۹۶ قلمی

اور امام حسن بصری کے نسبت لکھتے ہیں۔

الحسن البصری ھو الامام ابو سعید الحسن بن ابی الحسن واسم
ابی الحسن یسار البصری بفتح التحتانیۃ وتخفیف السین من سبی علیہ
بفتح المیم وسکون التحتانیۃ وبالسین المھملۃ وکان الحسن مولی زید بن ثابت
وقیل مولی جمیل بن قطبہ وقیل غیر ذلک ولد لسنتین بقیتا من خلافۃ
عمر بن الخطاب بالمدینۃ وقدم البصرۃ بعد مقتل عثمان ورای عثمان وسمع
منہ وقیل انہ لقی علیا بالمدینۃ فاما بالبصرۃ قال روایتہ ایاہ لم تصح
لانہ کان فی وادی القری متوجھا نحو البصرۃ حتی قدم علی بن ابیطالب

ویقال لقی طلحۃ وعائشۃ ولم یصح لہ منہما سماع یروی عن غیرھما
من الصحابۃ مثل ابی بکرۃ الثقفی وانس بن مالک وسمرۃ بن جندب
وعمران بن حصین وابی موسی وابن عباس وجندب وروی
عنہ خلق کثیر من التابعین کان کبیر الشان رفیع الذکر راسا
فی العلم وھو امام وقتہ فی کل فن وعلم وزھد وورع وعبادۃ وما
فی رجب سنۃ عشر ومائۃ کذا فی جامع الاصول والکاشف ص ۲۸ قلمی

خلاصہ:- بکایہ ہے کہ سعید بن مسیب ایک ہین اعلام سے فقیہ۔ عالم۔ فاضل۔ زاہد
وورع۔ محدث تھے مشاہیر واجلہ تابعین سے ثقہ ہین۔ حجت ہین۔ حافظ ہین۔
متقن ہین خواب کی خوب تعبیر دیتے۔ کثیر العلم تھے۔ ورع تھے۔ بہت سے
اصحاب نبی سے انکی ملاقات ہوئی ابن ہشام کہتے ہین کہ تیس صحابی سے انہون نے
ملاقات کی۔ اور علوم شریعت مین بہت مشہور ہوئے۔ ابن عمر۔ انس۔ عمران بن
حصین۔ ابوہریرہ۔ زید بن ثابت وغیرہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے
ہین۔ تو پھر کون گمان کر سکتا ہے کہ انکا ہاتھ کھولنا نماز مین اپنی خواہش نفس سے
تھا۔ ہر شخص بالیقین کہیگا کہ ان صحابہ کو انہون نے اسیطرح نماز پڑھتے دیکھا لہذا
خود بھی اسیطرح پڑھتے ۱۱۰ھ وفات ہے تو اس زمانہ تک عام رواج ہاتھ کھولنے کا
معلوم ہوا۔

سعید بن جبیر بھی اعلام تابعین سے ہین۔ ابی مسعود۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔
ابن الزبیر۔ انس سے روایت کرتے ہین اور اکثر علوم انکا حضرت ابن عباس
سے ماخوذ ہے۔ ماہ رمضان مین یہ ایکدفعہ امام مقرر ہوئے تو ہر رات قرآن کو نماز

میں نہیں قرائت سے پڑھتے تھے۔ انسے اعمش۔ عمرو بن دینار۔ ابو ایوب۔ ابو بشر وغیرہ روایت کرتے ہیں حجاج نے ۹۵ھ میں قتل کیا۔ انکو اسدرجہ مبالغہ تھا کہ اگر کسیکو ہاتھ باندھتے دیکھتے تو جاکر اوسکا ہاتھ کھولدیتے۔

حسن بصری کے اوصاف کی ضرورت نہیں خلافت خلیفہ دوم میں پیدا ہوئے عثمان کی خدمت میں پہونچے اور حدیث بھی اونسے لی اور بہت سے صحابہ سے ملاقات کی اور علم صحابہ کو اونسے حاصل کیا۔ اپنے وقت کے ہر فن میں امام تھے علم زہد عبادت تقوی ۱۱۰ھ وفات ہے۔

نواب کوئی شخص اہلسنت سے کہسکتا ہے کہ یہ لوگ جو نماز ہاتھ کھولکر پڑھتے تو بدعت کرتے یا خلاف سنت جس سے خواہی نخواہی ماننا پڑیگا کہ ہاتھ باندھکر نماز پڑھنا بدعت ہے کہ سعید بن جبیر اگر کسیکو ہاتھ باندھکر نماز پڑھتے دیکھتے تو دوڑکر اوسکا ہاتھ کھولدیتے فماذا بعد الحق الا الضلال

اجماع یہ تیسری دلیل ہے اہلسنت کی جس سے کسی مسئلہ شرعی کی صحت ثابت کی جاتی ہے۔ اسی اجماع میں عمل اہل مدینہ بھی داخل ہے جس سے امام مالک نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہیئے۔

چنانچہ علامہ محمد معین لاہوری جو تلامذہ شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہیں اور علمائے اہلحدیث کے مشہور افراد سے ہیں اپنی کتاب دراسات اللبیب میں لکھتے ہیں مطبوعہ لاہور ۱۸۶۸ء ص ۳۲۰

وثانیہا ان عمل اھل المدینۃ المقدسۃ دوسرے یہ کہ عمل اہل مدینہ میرے

على ما ذكرنا افضل الصلوة
والتسليمات من اقوى حجج الدين
عندنا ونرى الامر فيما طريقه
النقل من ذلك على ما يرى
الامام الاكبر عالم المدينة
مالك بن انس الاصبحي من
ان اجماع اهل المدينة
المطهرة حجة حتى انه عولت
علماء مذهبنا في ارسال اليدين
حالة القيام في الصلوة على
عمل اهلها مع وجود المرفوع
الصحيح في قبض اليمنى على
اليسرى وحملوه على الحاجة
عند طول القيام وحضوره
بها بدليل عمل اهلها كما نص
الحديث الصحيح بحديث اخرى
مثله ولا يجوز ذلك التخصيص
وارتكاب خلاف الظاهر
برأي احد من علماء والقبض
وان روى مطرف وابن
الماجشون عن مالك
انه استحسنه لكن روى ابن

نزدیک قوی ترین حجتون سے دین
کے ہے۔ اور اس مسئلہ مین میری رائے
مطابق ہے امام اکبر عالم مدینہ مالک
بن انس اصبحی کے کہ وہ قائل تھے اس
بات کے کہ اجماع اہل مدینہ مطہرہ
حجت ہے یہانتک کہ علماے مالکی نے
اسی دلیل پر اعتماد کیا ہے دربارہ ہاتھ
کھولکر نماز پڑھنے کے۔ کہ چونکہ اہل مدینہ
کا یہی عمل تھا لہذا اونہونے۔ اسی کو
اپنا مذہب بنایا حالانکہ حدیث صحیح
مرفوع اس مادہ مین موجود ہے کہ
داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر رکھنا چاہیے
(اس حدیث کا حال دوسرے جملہ
مین ملاحظہ فرمائیگا) اور اونہون نے
یعنی مالکیون نے اس حدیث کو محمول
کیا ہے ضرورت اور حاجت پر کہ اگر
بوجہ طول قیام ہاتھ بھر جاے تو ہاتھ
باندھ لے۔ اور اس تخصیص کی دلیل
اونکے پاس یہی عمل اہل مدینہ ہے

القاسم عن مالك الارسال
وصار اليه اكثر اصحابه وروي
عنه اباحة القبض في النافلة
بطول القيام وكره في الفريضة
قال ابن الحاجب ان ذلك
حيث صيبك معتمد القصد
الراحة نقله الزرقاني في
شرح الموطا قال ابن عبد البر
ان القبض لم يات عن النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم
فيه خلاف وهو الذي
ذكره مالك في الموطا ولم
يحك ابن المنذر وغيره
انتهى
وانت قد علمت ما ذكره
غير ابن المنذر عنه وقوله
وهو الذي ذكره مالك
في الموطا اراد منه ان ذكره
في الموطا يدل على كونه
مذهبا له فهو استدلال
ضعيف فان العلم محيط
بصنيعه في الموطا من انه
ربما يروي فيه ما يخالف
مذهبه كما فعل في قنوت

جسطرح ایک حدیث دوسری حدیث
سے خاص کر دی جاتی ہے - اور
نہین جائز ہے یہ تخصیص اور ارتکاب
خلاف ظاہر کسی کے نزدیک علماء
سے اپنی راے سے (لہذا معلوم ہوا
کہ یہ تاویل مالک براے نہین ہے)
ہان مطرف اور ابن ماجشون نے
امام مالک سے اسکی روایت بھی کی ہے
کہ وہ ہاتھ باندھنے کو مستحسن سمجھتے
تھے - مگر ابن قاسم نے امام مالک سے
ارسال ہی کی روایت کی ہے (کہ
وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے) اور
یہی مذہب ہے اونکے اکثر اصحاب کا
اور ہاتھ باندھنے کے بارے مین صرف
اسقدر منقول ہے کہ امام مالک اسکو
جائز جانتے تھے نماز نافلہ مین بسبب
طول قیام کے اور فرض نمازون
مین مکروہ جانتے تھے -
کہا ابن حاجب نے کہ یہ ہاتھ باندھنا اوسوقت

الصبح حيث اقتصر فيه
على اثر ابن عمر رض في عدم جواز
مع ان القنوت في الصبح مذهبه
الثابت عنه وان اراد ان
ما ذكره من اثر ابن عمر حجة
عليه فجوابه ان اثر ابن
عمر لا يعارض عمل اهل المدينة
بل قد اشرنا ان حديث سهل
في رفع القبض المروي في
صحيح البخاري لا يرد حجة
عليه لعمومه وعلى اصحابه حيث
متسكوا بعمل اهل المدينة
والارسال هذا لم ينفرد
مالك فقد جاء فيه الاثار
عن سلف التابعين روى جملة
من ذلك الامام ابو بكر
بن ابي شيبة في مصنفه وفيه
اثر عن عبد الله بن زيد رض
رواه في المصنف بسنده
فقال حدثنا وكيع قال
حدثنا يزيد بن ابراهيم
قال سمعت عمرو بن دينار
قال كان ابن الزبير اذا صلى

نوافل مین جائز ہوگا کہ جب بغرض راحت
ہو (یعنی وہ بھی بلا ضرورت نہیں جائز
ہے) جیسا کہ نقل کیا ہے زرقانی نے
شرح موطا میں۔

کہا ابن عبد البر نے کہ ہاتھ باندھنے کے
بارہ میں کوئی حدیث خلاف اسکے حضرت
سے نہیں منقول ہے اور اسکو ذکر کیا
ہے مالک نے موطا میں اور ابن
منذر وغیرہ نے اسکے خلاف نہیں نقل
کیا ہے مالک سے

مصنف کہتے ہیں مگر تو جانتا ہے کہ غیر
ابن المنذر نے کیا روایت کی ہے۔
(ارسال) اور یہ جو لکھا کہ مالک نے
اسکو ذکر کیا ہے موطا میں اگر اس سے
یہ مراد ہے کہ یہی اونکا مذہب ہے تو یہ
استدلال ضعیف ہے کیونکہ اہل
علم جانتے ہیں کہ امام مالک موطا میں ایسی
روایتیں بھی لاتے ہیں جو اونکے مذہب
خلاف ہوتی ہیں جیسا کہ قنوت صبح

یرسل یدیہ مین اونہون نے ابن عمر کی روایت
لکھی کہ نہین جائز ہے حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ مالک مذہب قنوت
ہے نماز صبح مین جو ثابت ہے اونسے۔

اور اگر ابن عبد البر کا یہ مقصود ہے کہ اثر ابن عمر حجت ہے مالک پر
تو اوسکا جواب یہ ہے کہ روایت ابن عمر معارض عمل اہل مدینہ نہین
ہو سکتی بلکہ ہمنے تو اوسکی طرف بھی اشارہ کیا کہ حدیث سہیل
جو صحیح بخاری مین مروی ہے دربارہ ہاتھ باندھنے کے وہ بھی
اونپر حجت نہین ہے بوجہ عموم اسکے۔ اور نہ اونکے اصحاب پر حجت ہے
کیونکہ تمسک اونکا بعمل اہل مدینہ ہے (جو درایت ہے۔ اور یہ
روایت)

اور یہ مذہب ارسال یدین ایسا مذہب ہے کہ صرف مالک ہی
اسکے ساتھ نہین منفرد ہوئے ہین بلکہ بہت سی روایتین اسمین سلف صحابہ و
تابعین سے آئی ہین جنہین امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف
مین ذکر کیا ہے۔ (مین ان سبکو پہلے لکھ چکا ہون) اوسمین عبد اللہ
بن زبیر سے روایت ہے جسے مصنف نے اپنی سند سے روایت کیا ہے
عفان سے کہا حدیث کی مجھسے یزید بن ابراہیم نے کہا سنا مینے
عمرو بن دینار کو کہتے تھے ابن الزبیر جب نماز پڑھتے تو ہاتھون کو
کھول دیتے۔ (تمام ہوا ترجمہ)

اس عبارت سے بدیہی طور پر ظاہر ہوا کہ امام مالک کا یہی

مذہب تھا کہ وہ نماز میں ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے - اور اونکی دلیل یہ
کہ عمل اہل مدینہ یونہی تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے -
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حدیث مرفوع اسکے خلاف موجود ہے
جسمیں اسکا حکم ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا چاہیے - مگر اسپر
بھی امام مالک کا مذہب یہی تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہیے کیونکہ
وہ کہتے تھے اس حدیث کے یہ مطلب ہیں کہ بوقت ضرورت ہاتھ
باندھنا چاہیے - اسلئے کہ عمل اہل مدینہ یہی ہے کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے
تو اب یہ حدیث خاص ہوئی بوقت ضرورت -

علمائے اہلسنت نے اگرچہ اسمیں اختلاف کیا ہے کہ عمل اہل مدینہ
حجت ہے یا نہیں - مگر اس سے کسیکو انکار نہیں کہ اہل مدینہ کا عمل یہی
تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ
یہ عمل اونکا مطابق عمل رسول اللہ تھا کہ حضرت کو سنے یونہی نماز
پڑھتے دیکھا تھا لہذا وہ بھی اسیطرح پڑھا کرتے -

تو اب اسکے خلاف عمل کرنا دیدہ و دانستہ اپنی نماز کو مخالف عمل
رسول اللہ بنانا ہے کیونکہ اسکو تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اہل مدینہ
کا عمل خلاف عمل رسول تھا -

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمامی صحابہ و تابعین کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتھ
کھولکر نماز پڑھا کرتے کیونکہ امام مالک اسکو عمل اہل مدینہ کہتے ہیں -
اور عمل اوسیوقت کہا جاسکتا ہے کہ سبکا یہی عمل ہو بلا اختلاف

کیونکہ درصورت اختلاف عمل اہل مدینہ نہیں کہ سکتے بلکہ عمل بعض اہل مدینہ۔

تو اب بدیہی طور سے معلوم ہوا کہ عمل اہل مدینہ زمانہ امام مالک تک بلا اختلاف یہی تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے۔

اسی استدلال امام مالک سے اوس حدیث کی بھی حالت ظاہر ہوئی جو ہاتھ باندھنے کے بارہ میں روایت کی جاتی ہے کہ وہ کیسی روایت ہوگی۔ کیونکہ اس روایت کی موجودگی پر بھی صحابہ اور سائر اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے۔ تو اب دو ہی احتمال ہو سکتا ہے ایک یہ کہ معاذ اللہ تمامی صحابہ اور اہل مدینہ عمل رسول کے خلاف کرتے تھے۔ کہ حضرت ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور یہ اوسکے خلاف عمل کرتے یہ احتمال ایسا بعید ہے کہ مین نہیں کہ سکتا کوئی بھی اسکا دعوی کر سکے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ روایت قبض یدین یعنی ہاتھ باندھنے والی روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ آیندہ مذکور ہوگا انشاء اللہ۔ کیونکہ یہ عمل احکام نماز سے ہے نہ امور دنیوی سے جو یہ کہا جائے کہ اسمین متابعت حکم رسول ضروری نہیں یا یہ کہا جائے کہ عمداً وعدداً دانستہ خود غرضی سے حکم رسول کی مخالفت کی گئی۔ بلکہ یہ تو احکام ہیئت صلوۃ سے ہے جسمین ہر شخص محکوم ہے کہ حضرت کا اتباع کرے اور کوئی اسکا مجاز نہیں کہ حضرت کی مخالفت کرے۔

اگرچہ بعد اس دلیل کے کہ عمل اہل مدینہ ثابت ہوا ہی تھا کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ اہل مدینہ میں سب داخل ہیں خواہ صحابی ہوں۔ یا تابعی۔ مگر مصنف نے خاص ابن الزبیر کا طرز عمل بھی دکھلایا کہ اونکا بھی معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔ اور تابعین کا کیا ذکر کہ وہ سب تو تابع صحابہ ہیں۔

میرے خیال ناقص میں عبد اللہ بن زبیر کے ذکر کی ضرورت بالتخصیص یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ کبھی معرض اختلاف میں نہیں آیا تھا بلکہ سبکا ہی معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے لہذا کسیکو اس طرف کبھی التفات بھی نہوا کہ نماز کیونکر پڑھی جاتی ہے کیونکہ یہ تو ایک معمولی بات تھی۔ جب اس اختلاف کی بنیاد پڑی تو عمرو بن دینار نے اپنی اس تازہ یاد کو بیان کیا کہ ابن الزبیر ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے ورنہ سارے اہل مدینہ کا یہی قاعدہ تھا کہ وہ اسیطرح نماز پڑھا کرتے۔

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چونکہ ابن الزبیر خلیفہ بھی تھے اور خاص مکہ میں اونکی خلافت ہوئی تھی۔ اور حضرت ابوبکر کے نواسہ تھے۔ اور حضرت عائشہ کے تربیت یافتہ اسلئے انکا عمل زیادہ قابل وثوق اور اعتماد تھا۔ اور پھر وہ نہایت عابد بھی مشہور تھے لہذا عمرو بن دینار نے اونکے فعل سے استناد کیا کہ اونکا

عمل اس مورد مین کسی طرح قابل شک یا اعتراض نہین ہو سکتا۔
پس اونکے اس طرز عمل نے بتا دیا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا نہ صرف اونکے
علم کے مطابق تھا بلکہ یہی عمل وہ اپنے آبا و اجداد و امہات کا دیکھ
چکے تھے جس سے پھر کوئی گمان بھی نہین کر سکتا کہ اونکی نماز اوس
طریقہ کے خلاف ہوگی جو حضرت ابوبکر و حضرت عائشہ و اسما و زبیر
کے خلاف ہو۔ اور چونکہ مینے اسکے قبل وہ روایتین بھی لکھدی
ہین جو حسن بصری۔ اور سعید بن المسیب۔ سعید بن جبیر وغیرہ
تابعین سے مروی ہین لہذا بخوبی ظاہر ہوا کہ عمل اہل مدینہ وغیرہ یہی
تھا۔

علامہ محمد معین مصنف دراسات اللبیب اسکے بعد لکھتے ہین۔

والعجب کل العجب من مثل شیخ الدہلوی حیث یفتی فی شرح السفر الدلیل للارسال مطلقا رفعا واثرا ویقول سالت فی الحجاز عن ذلک بعض علماء المالکیہ فلم یاتوا بشیء سوی امر خطابی ذکرہ مما لا یلتفت الیہ اہل العلم اصلا وعلی اہل المدینۃ المعظمۃ فی ذلک عند علماء مذہبہ اقوی من اثار التابعین والصحابۃ فیہ	یعنی پورا تعجب ہے شیخ عبدالحق دہلوی سے جو شرح سفر السعادۃ مین لکھتے ہین کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنے کی کوئی دلیل نہین ہے مطلقا نہ حدیث مرفوع سے نہ اثر صحابہ سے اور کہتے ہین کہ مینے حجاز مین بعض علماء مالکیہ سے سوال بھی کیا تو کوئی دلیل ایسی نہ لائے جو قابل التفات اہل علم ہو سوائے امر

حطابی کے حالانکہ عمل اہل مدینہ معظمہ اس بارہمین مالکیونکے نزدیک قوی تر ہے آثار تابعین وصحابہ سے۔ (تمام ہوا ترجمہ)

ہمارا مطلب اس عبارت سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کیونکہ اگرچہ بقول شیخ عبدالحق دہلوی کوئی دلیل قوی علماے مالکی نہ لاسکے مگر یہ تو معلوم ہوا کہ مذہب اونکا یہی تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے جس سے کسینے انکار نہین کیا بلکہ اوسپر دلیل لاے جو شیخ عبدالحق کے نزدیک قابل اعتماد نہو۔

یعنی مقصود ہمارا بخوبی ثابت ہوا کہ امام مالک کا یہی مذہب تھا اور اوسکی دلیل اونکے نزدیک یہی عمل اہل مدینہ ہے جو آثار صحابہ وتابعین سے بھی زیادہ قوی ہے۔

نفی احادیث صحیحہ بوجہ عمل اہل مدینہ

عمل اہل مدینہ ایسی قوی دلیل ہے کہ ملا معین لکھتے ہین وظهر من هذا ان مالكا واصحابه يولون الاحاديث الصحيحة عن ظواهرها ويتركون بها اثار الصحابة كما يتركون بالمرفوع واما ترك الحديث الصحيح بعملهم فيدل عليه مذهب مالك في عدم اجزاء صوم الولي عن الميت مع ورود الحديث الصحيح قال القسطلاني في شرح البخاري واجاب المالكية عن احاديث الباب بدعوى عمل اهل المدينة انتهى يعني عملهم بعدم الاجزاء ص ۴۲

یعنی جو حکایت ابن مسعود کی بیان کی ہے کہ اونہون نے اپنے

اجتہاد سے ایک فتوی دیا تھا جب مدینہ آئے اور وہان لوگون سے
دریافت کیا تو اپنی راے سابق سے عدول کیا۔ اس سے ظاہر ہوا
کہ امام مالک اور اونکے اصحاب تاویل کرتے ہین احادیث صحیحہ
مین جو خلاف عمل اہل مدینہ ہو۔ اور اس عمل اہل مدینہ کی بدولت وہ ترک
کرتے ہین اقوال صحابہ کو جیسا کہ ترک کرتے ہین حدیث مرفوع سے
رہا یہ امر کہ وہ ترک کرتے ہین حدیث صحیح کو عمل صحابہ سے۔ پس اوسکی دلیل
یہ ہے کہ مذہب مالک یہ ہے کہ ولی کا صوم صحابہ میت مجزی نہین ہے
حالانکہ حدیث صحیح اس بارہ مین وارد ہے کہا قسطلانی نے شرح صحیح بخاری
مین کہ مالکیون نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے
خلاف ہے یعنی وہ اسکو مجزی نہین مانتے
پس بالفرض اگر کوئی حدیث صحیح بھی ہاتھ باندھنے مین ہو۔ تو وہ حدیث
اسوجہ سے مردود ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے۔ حالانکہ ہم آیندہ
چلکر بتائینگے انشاء اللہ کہ حدیث صحیح اس بارہ مین کوئی نہین۔

مذہب شافعی بھی یہی ہے

علامہ مذکور لکھتے ہین وامام المطلبی
الشافعی الدرۃ الفرید من بحر
شرف ہاشم ید اللہ سبحانہ بہ صدر الحسبان بیلج العلوم من اہل
اہل البیت المقدس رض فقد روی الشعرانی فی کتابہ تلخیص
السنن للبیہقی المسمی بالمنہج المبین فی جمع ادلہ المجتہدین عنہ
بسندہ عن الہروی عن یونس بن عبد الاعلی قال سمعت الشافعی

یقول کل حدیث جاء من اهل العراق ولیس له اصل فی الحجاز فلا نقبله (لعدم صحته عندنا) وان کان صحیحا انتهی (فی نفس الامر لان الحجة بعد الثبوت) ومنه یخرج ان عمل اهل المدینة المقدسة یترک به الحدیث الصحیح عند غیرهم مطلقا او عند اهل الکوفة بخصوصهم فان عملهم علی شئ ورد بخلاف الحدیث عند غیرهم لا یتصور الا بانتفاء اصل ذلک عندهم والا لما وسعهم الخلاف ومن لم یقبل هذا الحدیث المعارض لعملهم وجب علیه التمسک به وترک ما خالفه ووجه ذلک ان عملهم دلیل قوی علی وجود الحدیث الصحیح فی ذلک عندهم وحدیثهم یترجح علی حدیث غیرهم عند هذین الامامین (مالک والشافعی) وفی هذا جواز الاعتماد علی العلم الاجمالی بوجود الدلیل الراجح مع وجدان الدلیل المعارض به بعینه وذلک مخصوص فی عمل اهل المدینة المشرفة عندهما ص ۳۴۳

یعنی امام شافعی کا عمل اس قاعدہ پر اس سے ظاہر ہے کہ شعرانی نے تلخیص سنن بیہقی میں روایت کیا ہے شافعی سے کہ وہ کہتے تھے جو حدیث اہل کوفہ کے ذریعہ سے وارد ہو۔ اور اوسکی کوئی اصل اہل حجاز میں نہو۔ تو ہم اوس حدیث کو نہیں قبول کرتے (کیونکہ وہ صحیح نہیں) اگرچہ فی نفس الامر صحیح ہو (کیونکہ حجت بعد ثبوت ہے)۔

پس اس قول شافعی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی حدیث صحیح ہو غیر

غیر اہل مدینہ کے نزدیک مطلقاً یا اہل کوفہ کے نزدیک خصوصاً۔ تو وہ
حدیث بوجہ مخالفت اہل مدینہ رد کر دی جائیگی۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں
سکتا عمل اہل مدینہ مخالف ہو کسی صحیح حدیث کے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ
حدیث ہی صحیح نہیں والا وہ اسکی مخالفت کیونکر کرتے۔

اور جب یہ حدیث جو معارض عمل اہل مدینہ ہے قابل قبول نہیں۔ تو
عمل اہل مدینہ کے ساتھ ترک ضروری ہوا اور اوسکے خلاف کا ترک
کرنا۔ کیونکہ اونکا عمل اس بارہ میں دلیل قوی ہے اسپر کہ کوئی حدیث
صحیح اونکے نزدیک ہے۔ اور اہل مدینہ کی حدیثیں قابل ترجیح ہیں
مالک و شافعی کے نزدیک دوسری کسی حدیث پر

پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ علم اجمالی بوجود دلیل راجح کافی ہے
اگرچہ خلاف اوسکے دلیل پائی بھی جائے۔ اور یہ مخصوص ہے عمل
اہل مدینہ کے ساتھ مالک و شافعی کے نزدیک

اس عبارت نے بتا دیا کہ عمل اہل مدینہ بجائے خود ایسی قوی
اور مستحکم دلیل ہے کہ اسکے مقابلہ میں نہ حدیث صحیح کا اعتبار رہتا ہے
نہ آثار صحابہ و تابعین کا۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب
ہے۔

بلکہ اسکی بھی تصریح کر دی کہ اگرچہ اہل مدینہ کے پاس کوئی حدیث
ظاہری نہ بھی ہو تو اونکا عمل کافی ہے۔ رد احادیث صحیحہ کے لئے کیونکہ
اگر اونکے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی تو اسطرح عمل نہ کرتے لہذا معلوم ہوا

کہ جس حدیث پر اہل مدینہ کا عمل نہین ہے وہ حدیث ہی صحیح نہین اگرچہ فی نفس الامر صحیح بھی کیون نہو۔

تو اب ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ایک ایسی قوی دلیل سے ثابت ہوا کہ اگر اسکے مقابلہ مین کوئی حدیث صحیح صریح بھی ہوتی تو وہ قابل قبول نہ تھی چہ جائیکہ فی الواقع کوئی حدیث صحیح بھی نہین۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آخر امام شافعی بھی جواز ارسال یدین کے قائل ہوے کیونکہ سابقاً ہم لکھ چکے ہین شافعی بھی ہاتھ کھولنے کو جائز بتاتے ہین۔

رائے مؤلف حسین ماحصل مصنف دراسات اللبیب چونکہ فرقہ اہلحدیث ہین لہذا وہ اپنی رای یون ظاہر کرتے ہین وعندی ھذا الحکم بتقدیم عمل اھل المدینۃ المعظمۃ علی الحدیث الصحیح فی حدیث غیر الصحیحین بعد تدوینھما فان ما اخرجہ الشیخان قد تلقتہما الامۃ بالقبول و من جملتھا اہل سادا تھا علماء المدینۃ الطیبۃ ص ۳۴۳

یعنی میری رائے مین یہ حکم تقدیم عمل اہل مدینہ معظمہ۔ حدیث صحیح پر۔ اوس حدیث کے متعلق ہے جو بعد تصنیف صحیحین خارج از صحیحین ہے۔ کیونکہ صحیحین کو امت نے قبول کر لیا ہے جسمین علماء مدینہ بھی داخل ہین۔

جسکے مطلب یہ ہوے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے کہ عمل اہل مدینہ کے مقابلہ مین حدیث صحیح بھی قابل قبول نہین۔ مگر اس حکم سے صحیحین مستثنی ہین کہ اونکی حدیثین نہین مردود ہونگی۔ بلکہ غیر صحیحین کی حدیثین اگر عمل اہل مدینہ کے خلاف ہون تو وہ مردود ہین۔ اور یہ حکم بھی صحیحین کے لئے اسوجہ سے

نہین ہے کہ حدیثین اوسکی صحیح ہین - بلکہ اس وجہ سے کہ صحیحین کو امت نے قبول کرلیا ہے جسمین علماے مدینہ بھی داخل ہین - تو اس وجہ سے صحیحین کی حدیثین عمل اہل مدینہ سے نہ مردود ہونگی - اور باقی صحیح حدیثین سب مردود ہین "

ہمکو اس راے کی مخالفت یا موافقت سے چندان بحث نہین - کیونکہ یہ انکی ذاتی راے ہے جو بمقابل مذہب امام مالک و امام شافعی کوئی وقعت نہین رکھتی - اور نہ یہی ثابت ہے کہ علماے امت نے صحیحین کو قبول کرلیا کیونکہ جمہور علماے امت اسکے مخالف رہے ہین ائمہ اربعہ کے مقلدین نے بہت سی حدیثون کو نہین مانا اور بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب لکھنوی اپنے علما سے ناقل ہین کہ درمیان صحیحین اور غیر صحیحین کے کوئی فرق نہین جیسا کہ تنقید بخاری وغیرہ مین تصریح لکھ چکا ہون -

اور چونکہ صحیح بخاری کی تدوین ۲۵۲ھ مین ہوئی اور صحیح مسلم کی اسکے بھی بعد لہذا اوس سنہ تک بلکہ بعد بھی اوس زمانہ تک کہ اتفاق امت کے لئے درکار ہے - عمل اہل مدینہ کی یہ وقعت تھی کہ حدیث صحیح بھی اوسکے سامنے کوئی چیز نہ تھی - اور اوسکے بعد بھی جو کچھ اسکی عظمت ظاہر ہوئی تو اس وجہ سے کہ اہل مدینہ نے صحیحین کو قبول کرلیا تھا - ورنہ اگر وہ نہ قبول کرتے تو پھر بھی حدیث صحیح کا اوسکے مقابلہ مین کوئی اعتبار نہوتا - یہی وجہ ہے کہ آجتک مذہب مالکی یہی ہے کہ وہ باتبہ

نماز پڑھتے ہیں۔

اصل اجماع ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا بہ اجماع اہل مدینہ ثابت ہے جسمیں تمامی صحابہ۔ وتابعین وتبع تابعین داخل ہیں۔ تو اب ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا مخالف اجماع ٹھہرا جو یقیناً باطل ہے مطابق قواعد اہلسنت۔

عظمت اجماع کیونکہ اجماع ایک ایسی حجت شرعی ہے کہ اسکے مقابلہ میں کوئی حجت حجت نہیں چنانچہ آپکو معلوم ہے کہ خود کتاب اللہ جس سے بڑھکر کوئی حجت نہیں ہو سکتی۔ محتاج اجماع ہے کہ جن آیات اور سورونپر اجماع ہوا وہ تو داخل قرآن کیا گیا۔ اور جسپر اجماع نہوا وہ نہ داخل قرآن ہوا نہ قرآن مانا گیا۔ تو اب دوسری کونسی حجت شرعی ایسی ہو سکتی ہے جو اجماع کے ہمسر ہو سکے۔ کیونکہ شرح مسلم الثبوت میں ہے۔ الاجماع حجۃ قطعاً ویفید العلم الجازم عند الجمع من اھل القبلۃ ص ۳۱۳ جلد ۲ مطبوعہ مصر

جس سے معلوم ہوا اجماع حجت قطعی ہے کہ مفید علم یقین ہے تمامی اہل قبلہ کے نزدیک بہ استثنا خوارج وشیعہ یہانتک کہ اجماع سے احکام قرآن اور حدیث دونو باطل کر دئے جاتے ہیں۔

حجت اجماع اہل البیت علیہم السلام ہم نے ایک خاص تقریر اس بارہ میں بھی کی ہے جس سے اجماع اہلبیت اطہار کی عظمت ثابت ہوتی ہے لہذا اوسکا ذکر بھی ضروری ہے۔

لکھتے ہین۔

وما اعتقده حجية اجماع
اهل بيت النبوة رضي الله تعالى
عنهم وعملهم وهو عندي وعند
كل منصف اقوى من عمل اهل
المدينة وذلك لان حجيته
ليس الا من حيث ان ما توارثه
اهل بلد صاغرا عن كابر مستمرا
من غير طريان تغير عليه يستند
عادة الى رئيس ذلك البلد
اذا كان معلوما باهتمام مراسم
خاصة في رياسته وترويجها
على مرؤسيه من اهله وذلك
في توارث اهليته كذلك
واستناده الى رئيس البيت
وصاحبهم الذي يعلو لهم
ويسوسهم مع شدة اعتنائهم
بالاتيان بما يامرهم وابتاعهم
في كل ما يفعله اقوى في العادة
واثبت في الحفظ فانهم اضبط
الاقوام لحاله واعلم باقواله و
اعماله بل لا يصل الى اهل
البلد من رئيسه كثير شيء من

مین اسکا بھی معتقد ہون کہ اجماع
اہلبیت علیہم السلام اور اونکا عمل
حجت ہے اور وہ میرے نزدیک بلکہ
ہر صاحب انصاف کے نزدیک قوی
تر ہے عمل اہل مدینہ سے کیونکہ عمل اہل
مدینہ اسوجہ سے حجت ہے کہ جو فعل
اُن مین بحیثیت توارث جاری ہے
کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے اوسکو سیکھتا
چلا آیا اور بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل
کے اوسپر عمل کرتا آیا۔ تو یہ امور
عادۃً منسوب ہونگے رئیس بلد کی
طرف کہ یہ عادات و اطوار اوسی رئیس
سے لئے گئے ہین خصوصاً جب اوس
رئیس کے اہتمام سے بھی معلوم ہو کہ۔
اپنے مراسم خاصہ کی ترویج مین اوسکو
کوشش ہو کہ اپنی ریاست مین
اوسے جاری کرے اور رعایا سے
اوسکی پابندی چاہے تو بالیقین اون

ذلك الاصهار من اهل بيته
لاسيما ويدخل في اهليته نساءه
ايضاً مع الذكور من اولاده
واقربائه وخدمهم وموالیهم
فيحيطون باحوال داخل
البيت وخارجه وما نعني
من اهل بيت النبوة في
هذه المسئلة الا ما يشتمل لنساء
صلى الله تعالى عليه وسلم و
ذكور بني هاشم والمطلب فاذا
اجتمعوا على شيء وتوارث ذلك
فيهم فهو عندي حجة سمعت
شانها وصفتها على ما ذكرنا هذا
بمجرد ما يعطي وحدة البيت
معه صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة اهله حضرته من
الاطلاع على احواله واقواله
واعماله صلى الله تعالى عليه
وسلم والزائد على ما يعطي من
ذلك وحدة البلد معه
صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة اهله اياه صلى الله
تعالى عليه وسلم فكيف اذا انضم

رعایا کے افعال و اعمال سے معلوم
ہوگا کہ سب آپ رئیس کی ہدایت اور
تعلیم سے ہے۔

اسی طرح اہلبیت کا توارث اور
اونکے افعال کی نسبت رئیس خاندان
کی طرف بدیہی ہے خاص کر جب معلوم
ہو کہ وہ افسر خاندان ہمہ وقت
کوشش کرتا ہے اسمین کہ اوسکے
خاندان کے لوگ اون آداب و قواعد
کو سیکھین اور نہایت اہتمام کرتا ہو
اسمین کہ وہ لوگ بجالائین اوسکے
کل اوامر و نواہی کو۔ اور ہر بات
مین اوسکی پیروی کرین۔

تو ایسے امور جو اوس خاندان
مین جاری ہون وہ من حیث الدلالۃ
نہایت قوی اور محفوظ ہین کیونکہ یہ
لوگ اپنے بزرگ خاندان کے حالات
سے زیادہ واقف اور اقوال و
افعال مین زیادہ مطیع ہونگے اور

الى ذلك حديث الثقلين
فيمن ورد منهم على ما فيه من
بيانه مما يكاد يثبت في كل
واحد من علمائهم العصمة
فان لم يثبت فيه نفي كلهم
عند اجماعهم على امر فان لم
يثبت العصمة رأسا فغلبة
ظن الاصابة في كل واحد فان
لم يثبت فيه نفي علم عند اجماعهم على ما لا يوجد
ذلك في اجماع من له يرد فيهم نص مثله من
الشارع صلى الله عليه وسلم وان لم يوجد ذلك في
كله فلا اقل من ان نؤمن بان
عملهم مما يرجح احد المتعارضين
من الاحاديث على الآخر
كعمل اهل المدينة المنورة
ولهذا سموا مثل الحاكم
ابي عبد الله وسليمان الاعمش
ومحب الدين الطبري الرجال
الابطال من رؤساء علماء
السنة شيعة وقالوا صحيح
مسلم ملآن من الشيعة ولما
قال مالك بحجية عمل اهل المدينة
المعظمة لزمه القول بحجية عملهم
لاسيما فيما اجتمع عليه الائمة

اونکے زیادہ ضابط ہونگے بہ نسبت
دیگر حضرات اہل شہر کے بلکہ حق
تو یہ ہے کہ اہل شہر کو بہت سے
حالات اور افعال و عادات
معلوم ہی نہونگے مگر اونکے خاندان
کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اونکو دیکھ کر
اہل شہر سمجھین گے کہ یہ امور ہمارے
رئیس کے افعال و عادات سے ہین
اور خاندان مین داخل ہین اونکی
عورتین بھی اور ذکور اونکے
اولاد اقربا سے اور خدم و موالی
اونکے کہ یہ سب محیط ہین احوال
داخل خانہ سے اور خارج خانہ سے
یہان ہم اہل بیت نبوۃ سے
معنی عام مراد لیتے ہین جو شامل ہو
نساء نبی کو اور ذکور بنی ہاشم و
عبد المطلب کو کہ جب وہ کسی امر پر اجماع
کرین اس حیثیت سے کہ وہ بحیثیت
توارث اونمین جاری ہو۔ تو

اثنی عشر رضی اللہ تعالی عنہم لما ذکرنا والحق حق وان لم یاخذ بہ احد۔

دوسرے نزدیک حجت ہے اور نہایت قوی حجت جسکی صفت اور شان نوشن چکا۔

یہ جو کچھ مینے بیان کیا صرف وحدت بیت (ایک گھر مین رہنا ۱۲) کا اثر ہے کہ صرف اہل خاندان سے ہونے اور ہر وقت کے ساتھ رہنے اور ملازمت سے یہ ضرور ہے کہ اونکو حضرت کے اقوال و اعمال پر زیادہ اطلاع ہو بہ نسبت اونکے جو صرف ایک شہر مین حضرت کے ساتھ ہین اور حضرت کے اہل و عیال و خاندان والون سے ملتے رہتے ہین (کیونکہ اگرچہ وہ بھی حضرت کے حالات سے بہ نسبت دوسرے شہر والونکے زیادہ مطلع ہوتے ہین۔ مگر خاندان والون کی اطلاع اس سے کہین بڑہی ہوتی۔)

چہ جائیکہ اس کے ساتھ حدیث ثقلین ملالی جائے جو اون حضرات اہلبیت طاہرین کے بارہین وارد ہے جس سے ہر واحد کی اون علماء اہلبیت طاہرین سے عصمت ثابت ہے۔ اور اگر سبکی عصمت فرداً فرداً نہ بھی ثابت ہو۔ تو اجماع کی حالت مین تو سبکی عصمت ضرور ہی ثابت ہے جس سے اونکا اجماعی مسئلہ ضرور مسلم ہوگا۔

اور اگر ہم فرض کرلین کہ عصمت کسیکی ثابت ہی نہین ہو سکتی۔ تو یہ تو ضرور ثابت ہوگا کہ اغلب ہر شخص کے افعال و اعمال مین ظن غالب اصابت ہے کہ اونکے افعال و اعمال مفید حق اور صواب ہونگے۔ اور اگر

ہم مان لین کہ فرداً فرداً اصابت نہین ثابت ہوتی۔ تو سبکے اجماع مین تو ضرور ہی اصابت ہوگی کہ اہلبیت کا اجماع بہ نسبت اور لوگونکے زیادہ قوی ہوگا۔

کیونکہ انکے اجماع کے بارہین شارع ع کا نص موجود ہے جس سے اوسکی عصمت ثابت ہے۔ اور اگر تم اسکا بھی اقرار نہ کروگے تو کم سے کم تمکو یہ ایمان لانا پڑیگا کہ اہلبیت طاہرین کا عمل ترجیح دیگا ایک حدیث کو دو حدیث متعارض سے جسطرح کہ اہل مدینہ کا عمل ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتا ہے۔ اور یہی (الترجیح بعملھم) باعث ہے کہ امام حاکم ابی عبداللہ سلیمان اعمش۔ اور محب الدین طبری کو جو رجال ابطال اور روسار علمائے اہل سنیہ سے ہین۔ ان لوگون نے شیعہ نام رکھا اور کہا کہ صحیح مسلم مملو ہے شیعونسے

(یعنی چونکہ حاکم و اعمش و محب الدین طبری نے عمل اہلبیت طاہرین سے استدلال کیا اسلئے وہ سب شیعہ کہدئے گئے اور یہین سے اسکی وجہ بھی ظاہر ہوئی کہ صحیح مسلم کی کیون اسقدر وقعت نہین اسوجہ سے کہ اوسکے راوی ایسے لوگ ہین بخلاف صحیح بخاری کے جسکے رواۃ تمام تر خوارج ہین)

اور جب امام مالک قائل ہوئے اسکے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے تو ضرور ہوا اونکو کہ وہ قائل ہون اسکے کہ عمل اہلبیت طاہرین بھی حجت ہے۔ بالخصوص وہ عمل جسپر ائمہ اثنا عشر مجتمع ہون جیسا کہ

ہمنے ذکر کیا اور حق حق ہے اگرچہ کوئی اسکو نہ قبول کرے۔ (تمام ہوا ترجمہ
اس عبارت سے جہاں حجیت اجماع اہلبیت طاہرین علیہم السلام
معلوم ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے قصداً اقوال ائمہ
علیہم السلام کو ترک کیا ہے جسپر خود ملا محمد امین در اسات اللبیب میں
ان لفظوں سے فرماتے ہیں فالفجیعۃ کل الفجیعۃ علی الامۃ ان خلت
کتب المذاہب الاربعۃ عن مذہب اہل البیت رضی عنہم اجمعین
ثم اذا وجد فیہا شیٔ من ذالک یعارض بمثل ہذا ولقد سبقت
منا رسالۃ مفردۃ فی اسناد الموضعین تکلمنا فیہا علی الثانی
واستوفینا الکلام فی الجواب عن الامام الحق رض فلنکتف بہ ونتکلم
علی الاول فاعلم ان ائمۃ الطاہرین رضی اللہ عنہم یحرمون الرای
والقیاس ولہذا ما دخل ابو حنیفۃ علی جعفر بن محمد رض علی ما
حکاہ الشعرانی فی اللواقح قال لہ بلغنی انک نفیس لا تقس فان
اول من قاس ابلیس ص ۳۴

یعنی افسوس صد افسوس اس امت پر کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کی کتابیں
خالی ہیں مذہب اہلبیت رضی اللہ عنہم سے پھر اگر کوئی بات اونکے مذہب
کی پائی بھی جاتی ہے ان کتابوں میں تو ایسی باتوں سے اوسکا معارضہ
کیا جاتا ہے حالانکہ میں ایک رسالہ خاص اس باب میں لکھ چکا ہوں کہ
جسمیں پورا جواب دیا ہے امام بحق جناب امام حسن کی طرف سے اوسی پر
اکتفا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام حرام جانتے تھے

قیاس اور رائے کو بھی وجہ ہے کہ جب ابو حنیفہ خدمت جناب امام جعفر صادق
مین حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا مینے سنا ہے تو قیاس کرتا ہے۔ قیاس نہ کر
کہ پہلا قیاس کرنیوالا شیطان ہے۔

بہرحال ہمارا مقصود یہان نہ قدح ابو حنیفہ ہے نہ اسکی شکایت کہ
حضرات اہلسنت نے ائمہ طاہرین کی متابعت کیون ترک کی کیونکہ قیامت
یقینی ہے۔ اوسروز خداوند قہار خود انسے سوال کریگا۔ اور یہ جواب دینگے
ہمارا فرض تو صرف یہ ہے کہ لکم دینکم ولی دین عمل کرین۔

ہان انسانی ہمدردی۔ اسلامی اخوت مجبور کرتی ہے کہ راہ حق کو واضح
کرین اور حجت کو تمام کرین کہ دیکھو خدا نے تمکو کیا حکم دیا ہے اوسکے رسول
نے کیا بتایا ہے اوسکے جانشین اور خلفا نے کیا سکھایا ہے کہ کسطرح نماز
پڑھو ہاتھ کھول کر یا باندھ کر کیونکہ ابھی تم دیکھ آئے اور پڑھ آئے کہ اون
حضرات کا عام قاعدہ یہی تھا کہ نماز ہاتھ کھولکر پڑھین اور تمامی صحابہ و تابعین
و تمامی اہل مدینہ کا جو ہر وقت حضرت کی خدمت مین رہتے اور آپکو نماز
پڑھتے دیکھتے۔ اونکا یہی عمل تھا۔

چونکہ ملا محمد معین نے آئمہ اطہار علیہم السلام کی طرف ضمناً اسکی نسبت
کی ہے کہ وہ حضرات نماز ہاتھ کھولکر پڑھا کرتے اسلئے ایک حدیث فروع کافی
کی بھی یہان لکھتا ہون جس سے معلوم ہو کہ واقعاً اون حضرات کا یہی
معمول تھا۔

فروع کافی کے باب افتتاح الصلوۃ والحد فی التکبیر و ما یقال عند ذلک

مین ہے۔ علی بن ابراھیم
عن حماد بن عیسی قال قال
لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یوما
یا حماد تحسن ان تصلی قال
فقلت یا سیدی انا احفظ
کتاب حریز فی الصلوۃ قال
لا علیک یا حماد قم فصل قال
فقمت بین یدیہ متوجہا الی
القبلۃ فافتتحت الصلوۃ
فرکعت وسجدت فقال یا حماد
لا تحسن ان تصلی ما اقبح الرجل
منکم ان یاتی علیہ ستون
سنۃ او سبعون سنۃ فلا یتم
صلوۃ واحدۃ بحدودھا
تامۃ قال حماد فاصابنی
فی نفسی الذل فقلت جعلت
فداک فعلمنی الصلوۃ فقام
ابو عبد اللہ علیہ السلام مستقبل
القبلۃ منتصبا فارسل یدیہ
جمیعا علی فخذیہ قد ضم
اصابعہ وقرب بین قدمیہ
حتی کان بینھما قدر ثلاث
اصابع منفرجات واستقبل
باصابع رجلیہ جمیعا القبلۃ
لم یحرفھا عن القبلۃ وقال
بخشوع اللہ اکبر ثم قرء الحمد
بترتیل وقل ھو اللہ احد

یعنی علی بن ابراہیم حماد بن عیسی سے
روایت کرتے ہین کہ ایکروز جناب
امام جعفر صادق ع نے مجھسے فرمایا اے
حماد کیا تو اچھا جانتا ہے کہ نماز پڑھے
مینے کہا اے سید میرے مینے یاد کیا ہے
کتاب الصلوۃ حریز کو۔ حضرت نے
فرمایا کوئی حرج نہین۔ تم کھڑے ہوکر
نماز پڑھو۔ حماد کہتے ہین کہ مین کھڑا
ہوا سامنے آپکے اور قبلہ کی طرف
رخ کرکے افتتاح صلوۃ کیا اور رکوع
وسجود بجا لایا۔ حضرت نے فرمایا اے
حماد تو نے اچھی طرح نماز کو نہین ادا
کیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ
لوگون کی عمر ساٹھ ستر برس کی ہو
جائے اور ایک نماز بھی درست
طور سے نہ پڑھے اور اوسکے حدود
کو پورے طور سے نہ بجالاوے حماد
کہتے ہین اس کلمہ سے نہایت ذلت
معلوم ہوئی اور مینے عرض کیا کہ

ثم صبر هنيئة بقدر ما يتنفس
وهو قائم ثم رفع يديه حيال وجهه
وقال الله اكبر وهو قائم ثم ركع
وملأ كفيه من ركبتيه مفرجات
ورد ركبتيه الى خلفه حتى استوى
ظهره حتى لو صب عليه من ماء
او دهن لم يزل لاستواء ظهره
ومد عنقه وغمض عينيه ثم سبح
ثلاثا بترتيل فقال سبحان ربي
العظيم وبحمده ثم استوى قائما
فلما استمكن من القيام قال
سمع الله لمن حمده ثم كبر و
هو قائم ورفع يديه حيال
وجهه ثم سجد وبسط كفيه
مضمومتي الاصابع بين يديه
وركبتيه حيال وجهه فقال سبحان
ربي الاعلى وبحمده ثلاث مرات
ولم يضع شيئا من جسده على شيء
منه وسجد على ثمانية اعظم

آپ پر فدا ہوں مجھے نماز کی تعلیم
فرمائیے۔ پس کھڑے ہوئے امام
جعفر صادقؑ اور قبلہ کی طرف
رخ کیا سیدھے ہو کر۔ اور دونوں
ہاتھوں کو آپنے سیدھے لٹکا دیا
اپنے زانوؤں پر اور انگلیاں اوسکی
ملا لیں۔ اور نزدیک کیا اپنے
دونوں قدم کو۔ کہ اونمیں تین یا چار
انگل کا فاصلہ رہا۔ اور پیر کی
اونگلیوں کو بھی جانب قبلہ کیا
کہ کج نہ رہے قبلہ سے۔ پھر بخشوع
کہا اللہ اکبر۔ پھر سورۂ الحمد کی تلاوت
کی بہ ترتیل بعدہ قل ہو اللہ احد
پڑھا اور اتنی دیر تک کھڑے رہے
کہ سانس لے لیں۔ پھر دونوں ہاتھوں کو
بلند کیا برابر چہرہ اقدس کے اور کہا
اللہ اکبر۔ ابھی تک آپ کھڑے ہیں
پھر رکوع کیا اور بھر لیا دونوں
ہتھیلیوں کو گھٹنوں سے۔ کہ انگلیاں

الكفين والركبتين وانامل
ابهامي الرجلين والجبهة و
والانف وقال سبعة منها
فرض يسجد عليها وهي التي
ذكرها الله تعالى في كتابه
فقال وان المساجد لله فلا
تدعوا مع الله احدا وهي الجبهة
والكفان والركبتان والابهامان
ووضع الانف على الارض
سنة ثم رفع راسه من السجود
فلما استوى جالسا قال الله
اكبر ثم قعد على فخذه الايسر
وقد وضع ظاهر قدمه الايمن
على بطن قدمه الايسر وقال
استغفر الله ربي واتوب اليه
ثم كبر وهو جالس وسجد
السجدة الثانية وقال كما قال
في الاولى ولم يضع شيئا من بدنه
على شيء منه في ركوع ولا سجود

کھلی ہوئی تھین - اور دبایا گھٹنے
کو پیچھے کی طرف - یہانتک کہ برابر
ہوئی آپکی پشت کہ اگر اوسپر ایک
قطرہ پانی کا ڈالا جائے یا تیل تو
وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے بوجہ
اسکے کہ پشت برابر تھی اور بڑھایا
گردن کو - اور بند کر لیا آنکھونکو
اور تین مرتبہ سبحان ربی العظیم وبحمدہ پھر سیدھے
کھڑے ہوئے - جب اچھی طرح کھڑے
ہوئے تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ
پھر تکبیر کہا کھڑے کھڑے - اور دونو
ہاتھون کو چہرہ تک بلند کیا - پھر
سجدہ کیا - اور پھیلا دیا ہتھیلیون کو
کہ انگلیان اوسکی ملی ہوئی تھین -
سامنے دونو گھٹنون کے مقابل
چہرہ کے اور کہا سبحان ربی
الاعلی وبحمدہ تین مرتبہ اور نہ
رکھا آپنے ایک بدن کو دوسرے

وكان مجخيا ولم يضع ذراعيه
على الارض فصلى ركعتين على
هذا وبداه مضمومتا الاصابع
وهو جالس فى التشهد فلما
فرغ من التشهد سلم فقال
يا حماد هكذا صل

بدن پر۔ اور سجدہ کیا آٹھ عضو پر
دونو ہتھیلیان۔ دونو گھٹنے اور
دونو زانو اور دونو انگشت
پیرون کی۔ اور پیشانی اور ناک
اور فرمایا کہ سات عضو پر سجدہ
کرنا فرض ہے جسکا خدا نے ذکر
کیا ہے آیہ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا مین کہ وہ
پیشانی۔ دونو کف دست دونو گھٹنا۔ دونو انگشت ہین پیرون
کی۔ اور ناک کا رکھنا خاک پر سنت ہے پھر بلند کیا سر اپنا سجدہ
سے جب سیدھے بیٹھے تو کہا اللہ اکبر۔ پھر بیٹھے بائین زانو پر کہ ظاہر
قدم ایمن رکھا بطن قدم ایسر پر اور کہا استغفر اللہ ربی واتوب
الیہ۔ پھر تکبیر کہا بیٹھکر۔ اور سجدہ کیا دوسرا سجدہ۔ اور کہا جسطرح
پہلے سجدہ مین کہا تھا۔ اور نہ رکھا ایک عضو کو دوسری
عضو پر رکوع و سجود مین اور رکھے پھیلائے ہوئے ہاتھ اور نہ رکھا ساق دست کو
زمین پر۔ اسی طرح دو رکعت نماز پڑھی اور دونو ہاتھ آپکے مضمومۃ
الاصابع تھے۔ اسیطرح تشہد پڑھا اور بعد تشہد سلام کیا۔ پھر
کہا اے حماد اسطرح نماز پڑھا کر۔ تمام ہوا ترجمہ

مینے اس غرض سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ شاید کوئی
مسلمان اس روایت کو دیکھکر اپنی نماز درست کرے دوسرے یہ کہ

چونکہ ملا محمد معین صاحب نے ان حضرات کے ہاتھ کہولنے کا ضمناً اشارہ کیا تھا اسلئے اوسکی تصریح دکہانا تھا مطابق روایت شیعہ

اب مین اس بحث کو ختم کرتا ہون کیونکہ بفضلہ تعالی خود کتب معتمد اہلسنت سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ جو طریقہ شیعون کا نماز پڑہنے مین ہے یہی سنت رسول اللہ تھا۔ اور تمامی اہل مدینہ جسمین اولاد وازواج رسول وموالی وصحابہ وتابعین وتبع تابعین سب داخل ہین سبکا یہی معمول تھا کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے۔ اور اہلسنت کے امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اور امام شافعی کا بھی اسی کے مطابق فتوی ہے۔ تو اب اہلسنت غور کرین۔ اونکی نماز جو ہاتھ باندہ کر ہوتی ہے کیسی ہے کیونکہ نہ کوئی حدیث صحیح اونکے پاس ہے رسول اللہ سے نہ عمل صحابہ ہے نہ عمل تابعین۔ تو اب ہم اس نماز کی نسبت کیا کہین کہ آخر یہ نماز اونکی کیسی ہے۔ والحمد للہ اولاً واخراً والصلوۃ علی نبیہ واہلبیتہ باطناً وظاہراً

دوسرا جملہ ابطال دلائل مخالفین

اہلسنت کی سب سے عمدہ دلیل اس مادہ مین روایت صحیح بخاری ہے جو حسب ذیل ہے باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ

حدثنا عبد اللہ بن مسلمہ عن مالک عن ابی حازم عن سہیل بن سعد قال کان ناس یومرون ان یضع الید الیمنی علی ذراعہ

الیسری فی الصلوٰۃ وقال ابو حازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی قال اسمعیل ینمی ذلک ولم یقل ینمی ص

یہ باب اسکا ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر نماز مین رکھین حدیث بیان کی ہے ہمسے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک سے اونہون نے ابی حازم سے اونہون نے سہیل بن سعد سے کہ تھے لوگ حکم کئے جاتے۔ اس بات کا کہ مرد رکھے دہنا ہاتھ کلائی پر بائین ہاتھ کی نماز مین۔ کہا ابو حازم نے مین نہین جانتا مگر یہ کہ وہ نسبت کرتے تھے اسکو رسول اللہ کی طرف کہا اسمعیل نے کہ ینمی ذلک بصیغہ مجہول ہے۔ اور نہین کہا ینمی بصیغہ معروف

خلاصہ یہ کہ سہیل بن سعد روایت کرتے ہین لوگونکو اسکا حکم ہوتا تھا کہ داہنا ہاتھ بائین پر رکھین۔

یہی روایت ہے جسپر اسکی بنا ہے کہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہی جائے مگر خود روایت بتا رہی ہے کہ کس وضع کی یہ حدیث ہے جسپر خود علمائے اہلسنت نے چند اعتراض کئے ہین۔

(۱) علامہ عینی لکھتے ہین وفیہ التحدیث بصیغۃ الجمع فی موضع والعنعنہ فی ثلاثۃ مواضع وھو من افراد البخاری ص ۱۴ جلد ۳

یعنی اسمین پہلے تو حدثنا بصیغہ جمع ہے پھر تین موضع پر عنعنہ ہے۔ اور افراد بخاری سے ہے کہ صرف بخاری اسکے راوی ہین اور چونکہ عام طور سے اہلسنت کے یہان جس روایت مین عن فلان عن فلان

ہو وہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں اتصال ضروری ہے
اور عنعنہ بلا اتصال بھی ہوتا ہے لہذا یہ روایت عام طور سے حکم
صحت سے خارج ہے اور بغیر صحت حدیث استدلال درست نہیں
دوسرے حدیث مبہم ہے نہ معلوم اسکا تعلق حالت قیام سے ہے یا
قعود سے۔ اسلئے ابن حجر کو شرح میں یہ جملہ بڑہانا پڑا ای فی حال القیام
مگر نفس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حال قیام سمجہا جائے
تیسرے اسمیں بھی ابہام ہے کہ کسکا حکم تھا۔ کون حکم دیتا۔ اسی لئے
ابن حجر کو یہ لکہنا پڑا ھذا حکمہ الرفع لانہ محمول علی ان الامر لہم
بذلک ھو النبی کما سیاتی یعنی یہ حدیث حکم رفع میں ہے (یعنی نسبت
ہے آنحضرت کی طرف) کیونکہ محمول ہے اسپر کہ حکم دینے والے اسکے رسول
اللہ تھے جیسا کہ آتا ہو۔

مگر اسمیں یہ خرابی ہے کہ اگر حضرت کا امر ثابت ہو تو اوس سے وجوب
اسکا ثابت ہوگا اسلئے کہ امر وجوب کے لئے ہے اور کوئی قائل بوجوب
نہیں لہذا نسبت امر حضرت کی طرف غلط ہے۔

پس اگر فرض کیا جائے تو اس سے لازم آتی ہے مخالفت امام
مالک و شافعی جو قائل بہ ارسال تھے یعنی ہاتہ کہول کر نماز پڑہنا اونکا
مذہب تھا بلکہ امام مالک تو ہاتھ باندہنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ تو کیا کوئی
کہ سکتا ہے کہ امام مالک کا مذہب بمخالفت امر رسول قایم ہوا۔

تیسرے اگر اس لفظ یومر بہ سے یہ بات پیدا ہوتی تو ابو حازم کو اسکی

تصریح کی کیا ضرورت تھی لا اعلمہ الا یعنی ذلک الی النبی یعنی میں
جہانتک جانتا ہوں وہ اس روایت کو نسبت کرتے تھے حضرت کیطرف
کیونکہ اگر اصل روایت سے یہ بات پیدا ہوتی تو اس اضافہ کی ضرورت
نہ تھی یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر نے اس اعتراض کو نقل کیا ہے اور جواب
دیا ہے قیل لو کان مرفوعا ما احتاج ابو حازم الی قولہ لا اعلمہ الخ و
الجواب انہ اراد الانتقال الی التصریح فالاول لا یقال لہ مرفوع
وانما یقال لہ حکم الرفع یعنی کہا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث مرفوع ہوتی۔
(یعنی منسوب آنحضرت کی طرف) تو ابو حازم کو اسکی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ
لا اعلمہ الخ کہتے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اونہوں نے ارادہ کیا اسکا کہ انتقال
کریں طرف تصریح کے (یعنی تصریح کر دیں کہ یہ حضرت سے روایت ہے)
کیونکہ اول کو مرفوع نہیں کہتے بلکہ حکم رفع کہتے ہیں۔

یعنی غرض یہ ہے کہ روایت مبہم تھی اسلئے اسکی تصریح کر دی کہ یہ روایت
حضرت ہی سے ماخوذ ہے۔ حضرت ہی حکم دیتے تھے مگر اسمیں یہ خرابی ہے
کہ راوی کی تصریح سے کیا ہوتا ہے جب تک خود اصل راوی اول نہ
بیان کرے کہ ہمنے رسول اللہ سے سنا یا حضرت نے ہمسے بیان کیا۔ اوسوقت
تک حدیث کی مرفوعیت نہیں معلوم ہوتی یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر لکھتے
ہیں وما عرض الدالی فی اطراف الموطا فقال ھذا معلول لانہ
ظن من ابی حازم وسردبان ابا حازم لو لم یقل لا اعلمہ الی اخرہ
لکان فی حکم المرفوع لان قول الصحابی کنا نؤمر بکذا یحسن

نظاهره الی من له الامر وهو النبیؐ لان الصحابی فی مقام تعریف الشرع فیحمل علی من صدر عنه الشرع ومثله قول عائشة کنا نؤمر بقضاء الصوم فانه محمول علی ان الامر بذلک هو النبیؐ واطلق البیهقی انه لاخلاف فی ذلک بین اهل النقل ص۴۰۶

کہ والی نے اطراف موطا مین یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قول اسوجہ سے معلول ہے کہ یہ گمان ابوحازم ہے (اور گمان راوی کوئی چیز نہین) اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ابوحازم یہ نہ کہتے کہ ہم جہانتک جانتے ہین اس قول کی نسبت حضرت کی طرف ہے۔ تو بھی یہ حدیث حکم رفع مین ہوتی کیونکہ جب صحابی یہ کہتا ہے کہ ہمکو ایسا حکم دیا جاتا تھا۔ تو یہ اسی پر محمول کیا جاتا ہے کہ حکم دینے والے آنحضرت ہین۔ کیونکہ صحابی مقام تعریف شرع مین ہے۔ لہذا اسی پر حمل کیا جائیگا کہ یہ حکم شارع ہے۔ اور اسی کے مثل ہے قول عائشہ کہ ہملوگ حکم دیے جاتے تھے بقضاء صوم کیونکہ اس سے مراد یہی ہے کہ آنحضرت حکم دیتے تھے۔ اور بیہقی نے تو اسکا دعوی کیا ہے علی الاطلاق کہ اہل نقل کو اسمین اختلاف ہی نہین۔

اقول افسوس ہے تو اسیکا کہ یہ حضرات دعوی کرتے ہین علم حدیث کا اور مطلقاً اوس سے بہرہ نہین رکھتے کیونکہ قول عائشہ کنا نؤمر مین یا اور اقوال صحابہ مین جو اسطرح وارد ہین۔ پھر راوی اسطرح کی تصریح نہین کرتا جو اسکا قرینہ ہے کہ وہان مطلب واضح ہے اور صاف کہ یہ حکم رسولؐ تھا۔ بخلاف اسکے یہان چونکہ اصل حکم رسولؐ نہین ہے اسلئے اوس

حدیث کے اعتبار بڑہانے کو کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حکم دوسرے کسی کا تھا۔ اسلئے ابو حازم نے لا اعلمہ کا اضافہ کیا جس سے خود بخود اسکی وضعیت ظاہر ہوگئی۔ کیونکہ اگر یہ حدیث وضعی نہ ہوتی تو ابو حازم کو اسکے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ پس یہ قول ابو حازم خود اسکا شاہد ہے کہ حدیث رسول نہیں ہے ورنہ اصل حدیث بجائے خود کافی تھی اسکے لئے کہ یہ حکم رسول ہے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جو حدیث وضعی یا جعلی ہوتی ہے من جانب اللہ اوسمین کوئی لفظ کوئی قرینہ ایسا ضرور پیدا ہوجاتا ہے جس سے اوسکی وضعیت کھل جاتی ہے کیونکہ واضع خود چاہتا ہے کہ یہ حدیث ہم وضع کر رہے ہیں۔ اسلئے وضع کے اخفا کے لئے وہ چاہتا ہے کسی طرح اسکو ایسا معتمد بنائیں کہ گمان وضع نہو جس سے خواہی نخواہی کوئی لفظ ایسا بڑہانا پڑتا ہے کہ وہ پردہ دار ہو۔ اور وہی پردہ داری اوسکا پردہ فاش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں جو صحیح روایتیں ہوتی ہیں اونمیں ایسی باتیں نہیں ہوتیں

اگر اسپر بھی تسکین نہو تو خود حافظ ابن حجر کا کلام جو اسکے بعد ہے ملاحظہ فرمائیں کہ لکھتے ہیں وقد روی فی سنن ابی داؤد والنسائی وصحیح ابن السکن شیء یستانس بہ علی تعیین الراوی والمامور فروی عن ابن مسعود قال رانی النبی واضعا یدی الیسری علی الیمنی فنزعہا ووضع الیمنی علی الیسری اسنادہ حسن

یعنی سنن ابو داؤد - نسائی - صحیح ابن سکن مین ایک ایسی شئی روایت کی گئی ہے - جس سے اس بات کی موافقت ہوتی ہے کہ آمر و مامور معین ہو - کیونکہ روایت کی ہے ابن مسعود سے کہ دیکھا مجھے آنحضرت نے بایان ہاتھ داہنے ہاتھ پر رکھے ہوئے - تو حضرت نے چھوڑا دیا اور داہنا بائین پر رکھا - سند اسکی حسن ہے -

مگر ہائے اس استناس نے اور بھی وحشت پیدا کی کیونکہ اولا یہ حدیث حسن ہے - اور وہ حدیث صحیح کہی جاتی ہے تو حدیث صحیح کی وحشت حدیث حسن سے کیونکر دور ہو سکتی ہے کیونکہ حدیث حسن تو بمقابلہ صحیح کوئی چیز نہین -

دوسرے یہ واقعہ مخصوص ہے ابن مسعود سے اس سے اوس حدیث عام کی وحشت کیونکر دفع ہوئی جسمین یہ بیان ہے کہ عام طور سے حکم دیا جاتا تھا -

تیسرے اس حدیث مین نہ ذکر صلوۃ ہے نہ ذکر قیام نہ ذکر قعود - پھر اس حدیث سے اوسکو کیا نفع پہونچ سکتا ہے جو خاص نماز کے متعلق ہے -

یہان معمولی عقل کا آدمی بھی کہ دیگا کہ جس طرح بخاری نے وضعی حدیث لکھکر ہاتھ باندہ کر نماز پڑہنا ثابت کرنا چاہا اوسی طرح ان محدثین نے جو اونکے بعد ہوئے اس وضع کی حدیثین ڈھالین کہ بخاری

کی کاروائی پر بھی پردہ پڑے اور ہاتھ باندھنا بھی ثابت ہو۔ مگر این خیالست ومحالست وجنون۔ کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی جسکے راوی خود امام مالک ہین تو اوسکے خلاف اپنا مذہب کیون قایم کرتے جو تمام عالم کو معلوم ہے کہ مالک کا مذہب ہاتھ کھولنا تھا چنانچہ خود ابن حجر ہی لکھتے ہین وروی ابن القاسم عن مالك الارسال وصار الیه اکثر اصحابه وعنه التفرقة بین الفریضة والنافلة ومنهم من کره الامساك ونقل ابن حاجب ان ذلك حیث یمسك معتمدا لقصد الراحة

یعنی ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا ہے ارسال کو اور اکثر اصحاب اونکے اسی طرف گئے ہین اور اونسے فریضہ ونافلہ مین فرق بھی منقول ہے اور بعضے علمائے مالکیہ نے کراہت کی ہے ہاتھ باندھنے سے اور ابن الحاجب نے نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندھنا بضرورت جائز ہے کہ بقصد آرام ایسا کیا جائے۔

تو اب دو ہی صورت ہے ایک یہ کہ امام مالک نے اپنا مذہب خلاف حدیث صحیح قایم کیا جس سے پھر اونکا کفر لازم آتا ہے ومن یشاقق الرسول دوسرے یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے جبھی مالک نے اسکو کوئی چیز نہ سمجھا اور اوسکے خلاف اپنا مذہب قایم کیا۔

اس روایت کا آخری فقرہ جسے مینے علامت وضع قرار دیا ہے۔ وہ قول ابو حازم ہے قال ابو حازم لا اعلمه الا ینمی ذلك الی النبی

یعنی کہا ابو حازم نے کہ مین جہانتک جانتا ہون اس روایت کو سہیل نے حضرت کی طرف منسوب کیا ہے - اسکی حقیقت کچھ تو پہلے مذکور ہوئی - مگر صحیح بخاری مین ہے کہ اسمعیل کہتے ہین یہ یُنمی ہے بصیغہ مجہول - نہ ینمی بصیغہ معروف مطلب اسکا یہ ہے کہ ابو حازم نے یُنمی کہا تھا بصیغہ مجہول کہ مین جہانتک جانتا ہون اسکی نسبت کی جاتی ہے آنحضرت کی طرف نہ یہ کہ ابو حازم نے یہ کہا ہو کہ راوی نے حضرت کی طرف منسوب کیا

ان دونون لفظونکا فرق اسطرح ظاہر ہوگا کہ اگر قول (ابو حازم مین یُنمی ہو بصیغہ معروف تو اوسوقت یہ معنی ہونگے کہ سہیل نے اسکی نسبت آنحضرت کی طرف کی اس صورت مین حدیث مرفوع متصل ہوگی کیونکہ سہیل نے حضرت کی طرف نسبت کی ہے اور بصیغہ مجہول لیا جائے کہ نسبت کی جاتی ہے - تو اس صورت مین حدیث مرفوع نہ ہوئی بلکہ مرسل ہوئی - جو صحیح نہین ہوتی شرح عینی مین ہے فعلی صیغة المجهول یکون الحدیث مرسلا لان ابا حازم لم یعین من انما له وعلی صیغة المعلوم یکون متصلا لان الضمیر فیه یکون لسهیل بن سعد لان ابا حازم قد یعین له المنمی وهو سهیل بن سعد ص ۱۲ جلد ۳

بہرحال جب خود بخاری نے بقول اسمعیل یُنمی کو صحیح کہا تو خود بخود یہ روایت ساقط الاعتبار ہوئی کیونکہ مرسل ہے جسکو صحیح نہین کہہ سکتے کہ صیغہ مجہول پڑھنے پر حدیث مرسل ہوگی کہ خود صحابہ کا قول ہوگا اور صیغہ معروف پڑھنے پر حدیث متصل ہوگی کیونکہ ضمیر عائد ہوگی

سہیل بن سعد کی طرف

اس تحقیقات کے بعد کسی متامل کو اسمین شک رہیگا کہ یہ حدیث محض وضعی ہے کیونکہ جس روایت مین اتنی خرابیان ہون وہ کب قابل قبول ہو سکتی ہے چہ جائیکہ اوسپر نماز ایسے رکن دین کا مدار رکھا جائے اور سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ راوی اس روایت کے امام مالک ہین جنکا مذہب بالکل اسکے خلاف ہے پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ممکن نہ تھا وہ اپنا مذہب اسکے خلاف قرار دیتے۔ کیونکہ لفظ حدیث ایسا مبہم ہے کہ کسیطرح اوس سے یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ یہ حکم رسول ہو کیونکہ مولوی عبدالحی صاحب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی مین لکھتے ہین۔ قال ابن الصلاح لافرق فی ذلک بین ان یقول الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعدہ انتہی وتبعہ النووی فقال قول الصحابی امرنا بکذا او نہینا عن کذا او امر الناس بکذا ونحو کل مرفوع سواء قال الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعد وفاتہ ونقضہ الحافظ العینی فی البنایہ شرح الہدایہ علی قولہ سواء قال ھذا غیر مسلم لجواز ان یقول الصحابی امرنا بکذا او نہینا بکذا بعد رسول اللہ ویکون الامر والناھی احد الخلفاء الراشدین انتہی وھذا الاحتمال قوی البتہ ص ۱۱۲

یعنی ابن الصلاح نے۔ یہ اصول قائم کیا تھا کہ جب صحابی کہے امرنا بکذا تو وہ حدیث مرفوع ہے خواہ عہد نبی مین ہو یا بعد آنحضرت ہو۔ اسپر علامہ

عینی لکھتے ہیں کہ یہ غیر مسلم ہے کیونکہ ممکن ہے آمر و ناہی خلفاء راشدین سے کوئی خلیفہ ہو۔ مولوی عبدالحی صاحب کہتے ہیں کہ یہ احتمال البتہ قوی ہے۔

پس اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے حکم رسول کہاں ثابت ہوا کیونکہ بقول عینی ممکن ہے یہ حکم کسی خلیفہ کا ہو۔

علامہ عینی کا یہی اعتراض اوس حدیث پر بھی ہے کہ امر بلالا ان یشفع الاذان ویوتر الوتر اسکے جواب میں انتہی بلاحجۃ للشافعیۃ فی ھذا الحدیث لانہ لم یذکر الامر فیحتمل ان یکون غیر النبی ظفر الامانی ص۱۱۱ پس جب بلال کے بارہمین اونکا یہ عذر ہے حالانکہ بلال نے پھر کسی خلیفہ کے لئے اذان نہ دی۔ تو سہیل بن سعد کے بارہمین بدرجہ اولی یہی عذر کافی ہے کہ اونہوں نے یہ حکم کسی خلیفہ کا بیان کیا ہو۔ جسکا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ مالک جو راوی اس حدیث کے ہیں اونہوں نے اسپر عمل نہ کیا اور برخلاف اوسکے اپنا مذہب قایم کیا

یہاں عینی نے شرح صحیح بخاری میں کچھ مزید تفصیل سے کام لیا ہے لکھتے ہیں ومن جملۃ ما احتجوا فی الوضع حدیث رواہ ابن ماجہ من حدیث الاحوص عن سماک بن حرب عن قبیصۃ بن المھلب عن ابیہ قال کان النبی یومنا فیاخذ شمالہ بیمینہ وحدیث آخر اخرجہ مسلم فی صحیحہ عن وائل بن حجر ان رسول اللہ رفع یدیہ الحدیث وفیہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری

وحدیث آخر اخرجه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه من حدیث الحجاج بن ابی زینب سمعت اباعثمان یحدث عن عبداللہ بن مسعود انه کان یصلی فوضع یده الیسری علی الیمنی فراٰه النبی علیه الصلوٰة والسلام فوضع یده الیمنی علی الیسری و حدیث آخر اخرجه دارقطنی من حدیث ابن عباس عن النبی قال انا معشر الانبیاء امرنا بان نمسك بایماننا علی شمائلنا فی الصلاة وفی اسناده طلحة ابن عمر متروك وعن ابن معین لیس بشیء وحدیث آخر اخرجه الدارقطنی ایضاً عن ابی هریرة مرفوعاً نحو حدیث ابن عباس وفی اسناده النضر بن اسمعیل قال ابن معین لیس بشیء ضعیف ص ۱۵ جلد ۳

یعنی جن حدیثوں سے ہاتھ باندھنے پر ہملوگ استدلال کرتے ہیں ایک حدیث ابن ماجہ ہے۔ احوص سماک بن حرب۔ قبیصہ بن مہلب۔ مہلب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ہملوگونکو نماز پڑھا رہے تھے تو بائین ہاتھ کو پکڑا دائین ہاتھ سے۔

دوسری حدیث مسلم کی ہی وائل بن حجر سے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ اپنا رکھا بائین ہاتھ پر۔

تیسری حدیث روایت ابوداؤد ونسائی۔ وابن ماجہ ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ رکھا بائین پر یہ حدیث حجاج بن ابی زینب ہے ابوعثمان سے وہ عبداللہ بن مسعود سے کہ یہ بایان ہاتھ داہنے پر رکھے تھے۔ حضرت نے

داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا۔

چوتھی حدیث دار قطنی کی ہے ابن عباس سے کہ حضرت نے فرمایا ہم معاشر انبیا کو اسکا حکم ہے کہ داہنے ہاتھ سے بایان ہاتھ پکڑیں۔ اس روایت میں طلحہ بن عمرو متروک ہے۔ ابن معین نے کہا لیس بشیٔ

پانچوین حدیث دار قطنی کی ابوہریرہ سے ہے مثل حدیث ابن عباس اسکے سند میں نضر بن اسمٰعیل ہے جو بقول ابن معین لیس بشیٔ ہے ضعیف ہے

یہ پانچ حدیثیں ہیں جنمیں دو جو دار قطنی کی روایت ہے بقول خود عینی لاشیٔ ہے۔ باقی رہی تین روایتیں پہلی روایت کے راوی اول احوص ہیں خلاصہ تہذیب الکمال میں ہے قال ابن معین ثقة و مرة ثقة لیس بذاک المتوفی ۲۱۱ھ کہا ابن معین نے ایک دفعہ کہ ثقہ ہیں دوسری مرتبہ کہا لیس بذاک

راوی دوم سماک بن حرب ہیں میزان الاعتدال میں ہے صفحہ ۸۴ جلد اول

سماک بن حرب ابو المغیرة الهذلی الکوفی صدوق صالح من اوعیة العلم مشهور روی ابن المبارک عن سفیان انه ضعیف وقال جریر الضبی اتیت سماکا فرایته یبول قائماً فرجعت	خلاصہ یہ کہ سماک بن حرب ہذلی صدوق ہیں صالح ہیں اوعیہ علم سے ہیں روایت کی ابن المبارک نے کہ وہ ضعیف ہیں۔ جریر ضبی کہتے ہیں کہ ہم سماک کے یہاں گئے تو اوسے کھڑے کھڑے پیشاب کرتے دیکھا لہذا واپس آگئے

ولم اسأله فقلت خرف
وروى احمد بن ابي مريم
عن يحيى سماك ثقة كان
شعبة يضعفه وقال
جناد المكتب كنا نأتي سماكا
فنسأله عن الشعر وأيامه
اصحاب الحديث فيقبل
علينا ويقول سلوا فان
هولاء ثقلاء وروى
مومل عن حماد بن مسلمة
سمعت سماك بن حرب
يقول ذهب بصري فرأيت
ابراهيم الخليل في النوم
فقلت ذهب بصري فقال
انزل الفرات فاغمس رأسك
وافتح عينيك ان الله يرد
عليك بصرك ففعلت
ذلك فرد الله علي بصري
وقال ادركت ثمانين من الصحابة

اور کچھ نہ پوچھا اور کہا کہ خرف
ہو گیا۔ شعبہ انکو ضعیف کہتے
ہین۔ جناد مکتب کہتے ہین کہ ہم لوگ
شعر وغیرہ پوچھنے آتے تھے اور
اہلحدیث حدیث سیکھنے تو وہ
ہم لوگون کی طرف متوجہ ہوتے
اور اہلحدیث کو کہتے یہ سب ثقیل
ہین۔ مومل نے کہا کہ جب انکی آنکھ
جاتی رہی تو حضرت ابراہیم
کو خواب مین دیکھا انسے شکایت
کی تو کہا فرات مین غوطہ لگاؤ۔
اور آنکھین کھولدو۔ اس سے
پھر اون کی آنکھین روشن ہو گئین
سماک کا بیان ہے کہ ہمنے اسی
صحابہ کو پایا۔ احمد کہتے ہین کہ سماک
مضطرب الحدیث ہے ابو حاتم
ثقہ صدوق کہتے ہین۔ صالح
جزرہ ضعیف کہتے ہین۔ نسائی
کہتے ہین جب وہ تنہا روایت

وقال احمد سماك مضطرب
الحديث وقال هو اصلح
حديثا من عبد الملك
بن عمير وقال ابو حاتم
ثقة صدوق وقال صالح
جزرة ضعيف وقال النسائي
اذا انفرد باصل لم يكن
حجة لانه كان يلقن فيتلقن
روى حجاج عن شعبة قال
كانوا يقولون سماك وعكرمة
عن ابن عباس فيقول
نعم فاما انا فلم اكن القنه
قد روى قتادة عن ابي
الاسود الدولي قال ان سرك
ان يكذب صاحبك
وقال عبد الله بن احمد بن
حنبل قرات بخط ابي عن
رجل لم يسمه قال كان
سماك بن حرب فصيحا

اگر ہین تو وہ قابل احتجاج نہین
کیونکہ انکو لوگ تلقین کرتے تھے
تو یہ اوسکو یاد کر لیتے تھے۔ شعبہ
کہتے ہین کہ لوگ کہتے تھے سماک
وعکرمہ عن ابن عباس تو یہ
کہتے ہان۔ ہم اونکی تلقین نہ
کرتے تھے۔ عبد اللہ بن احمد
بن حنبل کہتے ہین کہ مینے اپنے
باپ کے حرف سے دیکھا ہے کہ
سماک فصیح تھے اپنی خوش بیانی
سے۔ حدیث کو زینت دیتے
ذہبی کہتے ہین انسے مسلم نے
اور شعبہ نے اور ایک جماعت
نے روایت کی ہے ابن مدینی
کہتے ہین کہ اونکی دو سو روایت
ہے۔ ابن عمار کہتے ہین کہ اکثر
غلطی کرتے اور لوگ انکی روایت
مین اختلاف کرتے۔ عجلی جائز
الحدیث کہتے ہین سفیان ثوری

يزين الحديث بمنطقه
وفصاحته قلت قد احتج
مسلم به في روايته عن
جابر بن سمرة والنعمان
بن بشير وجماعة وحدث عنه
شعبة وزائدة وابو عوانة
والناس قال ابن المديني
نحو مائتي حديث قال ابن
عمار كان يغلط ويختلفون
في حديثه وقال العجلي
جائز الحديث كان الثوري
يضعفه قليا وقال ابن المديني
روايته عن عكرمة مضطربة
فسفيان وشعبة يجعلونها
عن عكرمة وابو الاحوص
واسرائيل يجعلونها عن عكرمة
عن ابن عباس وقال
يعقوب بن شيبة هو في عداد عكرمة
صالح وليس من المثبتين ص ۳۴۴

انکو ضعیف کہتے ہیں مگر کم کہا
ابن مدینی نے کہ ان کی روایت
عکرمہ سے مضطرب
ہے۔ یعقوب بن شیبہ
کہتے ہیں عن عکرمہ میں صالح
ہیں۔ مگر مثبتین سے نہیں ہیں
تمام ہوا ترجمہ

راوی سوم قبیصہ بن مہلب
عن ابیہ میزان میں ہے قال ابن
المدینی مجہول لم یرو عنہ
غیر سماک وقال العجلی ثقة
تابعی ص ۳۱۱ جلد ۲

کہا ابن مدینی نے کہ قبیصہ
بن مہلب مجہول ہیں بجز سماک
کسی نے انسے روایت نہیں کی۔
عجلی ثقہ وتابعی کہتے ہیں۔
ان تصریحات صریحہ سے کہ
تینوں راوی اسکے مجروح ہیں
روایت ابن ماجہ کی قلعی تمام

عالم پر کہل گئی کہ یہ روایت کیسی ہے۔

اس حدیث مین یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت ہملوگونکو نماز پڑہاتے تھے تو بائین ہاتھ کو دہنے ہاتہہ سے پکڑتے تھے۔ پس جب تینون راوی اسکے مجروح وضعیف ہین تو حدیث صحیح کہان رہی اسپر بناکرکے ہاتھ باندہنا کیسا لغو ہے۔

دوسری حدیث ابن ماجہ۔ ابو داؤد۔ نسائی کی حجاج بن ابی زینب سے ہے کہ ابن مسعود نے کہا ہمنے بایان ہاتھ داہنے پر رکھا تھا حضرت نے داہنا ہاتھ بائین پر رکہدیا۔ ابن حجر نے اسے حسن کہا تھا مگر میزان الاعتدال مین ہے حجاج بن ابی زینب الواسطی الصیقل عن ابی عثمان النہدی وغیرہ وعنہ یزید بن ہارون وعبد الرحمن بن مہدی قال احمد اخشی ان یکون ضعیف الحدیث وقال ابن معین لیس بہ باس وقال ابن المدینی ضعیف وقال النسائی لیس بالقوی قلت مات سنۃ بضع وخمسین ومائۃ قال الدارقطنی لیس ہو بقوی ولا حافظ ص ۱۸۸ جلد اول

کہا احمد بن حنبل نے مین ڈرتا ہون کہ کہین وہ ضعیف الحدیث نہو۔ ابن معین نے کہا کوئی مضائقہ نہین ابن المدینی نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہین ہے۔ دارقطنی نے کہا وہ قوی نہین ہے نہ حافظ حدیث تھا ۱۵۰ھ وفات

تیسری روایت صحیح مسلم ہے حدثنا زھیر بن حرب قال
نا عفان قال نا ھمام قال نا محمد بن جحادہ قال حدثنی
عبد الجبار بن وائل عن علقمہ بن وائل و مولی لھما انھما
حدثاہ عن ابیہ وائل بن حجر انہ رای النبیؐ رفع یدیہ
حین دخل فی الصلوۃ کبر وصف ھمام حیال اذنیہ ثم
التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری فلما ان
اراد ان یرکع اخرج یدیہ من الثوب ثم رفعھما ثم
کبر فرکع فلما قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ فلما
سجد سجد بین کفیہ ص ۱۷۳

یہ حدیث اگرچہ بہ نسبت حدیث بخاری صریح ہے مگر بالکل
خلاف قیاس ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو وہ ان حالات کو
مشاہدہ کرے کیونکہ وائل بن حجر بیان کرتے ہین حضرت نے
پہلی تکبیر کے لئے ہاتھون کو کانون کے برابر بلند کیا پھر لباس کو
مثل لحاف اوڑھا پھر داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر رکھا جب رکوع
کا ارادہ کیا تو ہاتھون کو باہر نکالا پھر تکبیر کہا پھر رکوع کیا جب
سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پھر دونو ہاتھون کو بلند کیا اور جب سجدہ
کیا تو دونو ہتھیلیون کے درمیان مین سجدہ کیا۔

اس حدیث کا یہ بیان کہ حضرت نے کپڑہ کو اچھی طرح اوڑھ لیا
و بطور لحاف بنایا خود بتا رہا ہے کہ راوی نے اسکے بعد وضع

یمنی علی الیسری کو محض تخمیناً بیان کیا ہے نہ یہ کہ دیکھا ہو کیونکہ
ماموم کو ممکن نہین ان حالات کو دیکھ سکے خصوصاً جب امام
چادر یا لحاف اوڑھے ہو کہ اوسکے اندر ہاتھ کو کیونکر رکھتا ہے
کیونکر نہین۔

ہان اگر یہ کہا جائے کہ وائل بن حجر اس دفعہ شریک جماعت
نہ تھے بلکہ دیکھتے رہے تو البتہ ممکن ہے مگر یہ احتمال خود احتمال
بعید ہے اور بالکل خلاف قیاس۔

غرض یہی دو روایتین ہین جن سے استدلال کیا جاتا ہے
ہاتھ باندھنے پر چنانچہ نووی کہتے ہین وحجۃ الجمہور فی
استحباب وضع الیمین علی الشمال حدیث وائل المذکور
ھہنا وحدیث ابی حازم رواہ البخاری ص ۱۷۳
یعنی دلیل ان لوگونکی جو ہاتھ باندھنے کے قائل ہین ایک یہی
حدیث وائل ہے جو صحیح مسلم مین ہے دوسری روایت ابو
حازم جو صحیح بخاری مین مذکور ہے تیسری روایت ترمذی جو
حسن ہے اور یہی حدیثین ہین مگر اونپر نہ حکم صحت لگایا ہے
نہ حسن کا

مگر انسب روایتون کا جواب علاوہ قبوح رواۃ یہ ہے کہ اگر یہ روایتین صحیح
ہوتین تو امام مالک اپنا مذہب اسکے خلاف نہ قائم کرتے جو ہاتھ
کھول کر نماز پڑھتے ہین۔ خاص کر جب خود ہی ایک حدیث کے راوی

ہین جو صحیح بخاری کی روایت ہے جس بداہت ظاہر ہے کہ وہ اس روایت سے واقف تھے کیونکہ خود ہی اوسکے راوی ہین - تو بغیر اسکے کہ وہ اس روایت کو غیر صحیح جانتے تھے ممکن نہ تھا کہ اوسکے خلاف اپنا مذہب قائم کرتے

مین جہانتک سمجھتا ہون اس ہاتھ باندھنے کے موجد امام ابو حنیفہ ہین - جسے اونہون نے بمخالفت ائمہ اہلبیتؑ ایجاد کیا اور چونکہ وہ سلطنت کے آوردہ تھے اسلئے یہی مذہب سلطانی قرار پایا جسکے بعد محدثین بھی اسپر مجبور رہوئے کہ اس قسم کی روایتین ڈھالین لہذا اس ایجاد کے بعد روایتون کی ساخت شروع ہوئی کیونکہ

اولا اسلامی احکام جسقدر دیکھے جاتے ہین اونمین اسقدر سادگی اور بے تکلفی ہے کہ نہ کہین تصنع ہے نہ تکلف - اور ابو حنیفہ چونکہ اصلاً عجمی تھے اسلئے اونکی فطرت مین تکلف و تصنع بھرا ہوا تھا اسی لئے اونہون نے شاہی قواعد و آداب سے جو عجم مین مروج تھا کہ بادشاہ کے سامنے مودب دست بستہ کھڑے ہون - یہ طریقہ اخذ کیا کہ نماز مین بھی دست بستہ کھڑے ہون حالانکہ نہ شارع نے اسکی اجازت دی تھی نہ اسکا حکم دیا تھا -

یہی وجہ ہے کہ امام مالک جو عربی نژاد تھے اور صحابہ کی اولاد سے اور بود و باش انکی مدینہ مین تھی - اس تصنع سے بری رہے

اور وہی طریقہ انہون نے اختیار کیا جو رسول اللہ اور صحابہ وتابعین کا طریقہ تھا۔

ثانیاً ابو حنیفہ کا قیام کوفہ مین تھا جہان شیعون کی جمعیت زیادہ تھی اور اکثر موالی اہلبیتؑ تھے۔ اسلئے انکو اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرین جس سے شیعہ وسنی مین ایک نمایان فرق ہوجائے۔ کیونکہ افعال نماز سب کے یکسان تھے سب ہاتھ کھولکر نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے کوئی تمیز نہ تھی کہ کون سنی ہے کون شیعہ لہذا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے بین طور پر فرق نمایان ہو۔

بخلاف اسکے امام مالک کا قیام مدینہ منورہ مین تھا جہان کا بچہ بچہ تک آداب وقواعد سے نماز کے واقف تھا اور پھر ائمہ اہلبیتؑ کا بھی وہین قیام تھا۔ جنسے گو زمانہ موافق نہ تھا مگر نہ اونکی اعلمیت مین کسیکو عذر تھا نہ اسمین کہ یہی لوگ سچے وارث شریعت ہین۔ اسلئے اگر امام مالک وہان چاہتے بھی کہ خلاف طریقہ رائجہ کوئی طریقہ جاری کرین تو کبھی کامیاب بھی نہ ہوتے چنانچہ آپ معاویہ کی حالت دیکھ چکے ہین کہ جب اوسنے بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا سورہ مین ترک کیا تو ہر طرف سے مہاجرین وانصار کی آواز بلند ہوئی کہ اسرقت البسملۃ یا معویہ کہ اے معویہ تو نے بسم اللہ چورا لیا۔ تو بھلا امام مالک ایسی ایجاد مین کب

کامیاب ہوسکتے تھے۔ اسی سبب سے اور بھی وہ اوس طریقہ سابقہ کو نہ چھوڑ سکے حالانکہ سلطنت کے دباؤ یا خاطر سے ایک روایت پیش کر دیا۔

ثالثاً خلافت بھی چونکہ خاندان بنی ہاشم مین آئی تھی اور بنی عباس و اولاد جناب امیرؑ آپس مین پہلے متحد سمجھے جاتے جسکو منصور دوانیقی نے اپنے زمانہ خلافت مین مٹایا۔ اسلئے وہ خلفا بھی اسپر مجبور تھے کہ کوئی ایسا طریقہ رائج ہو جس سے طرفداران سلطنت اور ہواخواہان اہلبیتؑ طاہرین متمیز ہو جائین۔ اسلئے ہاتھ باندھنے نے زیادہ رواج پایا کیونکہ یہی گویا شاہی مذہب ہو گیا تھا۔ مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ چونکہ پائے تخت خلافت سے دور تھا۔ اسلئے اوسپر اثر کم پڑا اور امام مالک یہان مجبور تھے کہ اوسی طریقہ کو جاری رکھین جو زمانہ رسول اللہ سے مروج تھا۔

رابعاً امام مالک بہ نسبت ابو حنیفہ کے کچھ آزاد مزاج بھی تھے اور اون مین خود ایک طرح کی شان بھی تھی اسلئے وہ سلطنت کے دباؤ مین زیادہ نہ آتے چنانچہ ایکدفعہ ہارون رشید نے انسے فرمایش کی کہ امین و مامون کی تعلیم کے لئے روزانہ آیا کرین۔ ایک روز تو مالک گئے مگر دوسرے روز انکار کر دیا کہ اہل علم کی یہ شان نہین ہے کہ وہ تعلیم کے لئے جایا کرے بلکہ جو طالب علم ہوتا ہے اوسے آنا چاہیئے۔ اسلئے اور بھی اونہون نے اپنا طریقہ نہ بدلا۔

بخلاف ابو حنیفہ کے کہ وہ ایسے خوشامدی تھے کہ منصور دوانقی نے انکو حکم دیا کہ اینٹین جو شہر بغداد کے تعمیر کے لئے آرہی ہین اونکو گنا کرو۔ ابو حنیفہ نے اوسے بھی قبول کرلیا۔

خامساً محدثین چونکہ قریب قریب سبھی خلافت کے وظیفہ خوار تھے۔ اسلئے جو ہوائے سلطنت ہوتی اوسیکے مطابق حدیثین گڑھ دیتے اسلئے اتنی حدیثین اس باب مین بھی بنگئین۔ ورنہ کون کہ سکتا ہے کہ ایسے حسی امور مین اسقدر اختلاف ہو۔

آپ تو رسالہ وضو مین دیکھ چکے ہین کہ وضو کے بارہ مین کیسا۔ حکم صریح قرآن مین موجود ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین جسمین ایک اندھا بھی نہین شک کرسکتا کہ سر اور سر پر مسح کا حکم ہے۔ حدیثین بھی بیشمار اسکے موافق ہین۔ مگر چونکہ خلیفہ دوم نے پیر دھونے کی ایجاد کی تھی۔ اسلئے حدیثین اسکے موافق بن گئین اور قرآن مین ایک صریح غلطی کا الزام کرلیا گیا۔

اوسی طرح اس ہاتھ باندھنے کو سمجھیے کہ چونکہ سلطنت کا یہی مذہب تھا لہذا ہر طرح کا سامان مہیا کردیا گیا اور ہر قسم کی حدیثین وضع کردی گئین کہ یہی سنت رسول اللہ ہے حالانکہ محض غلط ہے۔

اگر میرے اس بیان پر وثوق نہو تو علامہ عینی کے کلام سے اس نتیجہ کو اخذ کیجیے کیونکہ وہ اختلاف محل کے متعلق لکھتے ہین فعندہ تحت السرۃ وعند الشافعی علی الصدر کہ حنفیونکے نزدیک ناف پر

ہاتھ رکھنا چاہیئے اوسمین کوئی تصریح اسکی نہین ہے کہ کہان ہاتھ باندھنا چاہیئے۔ مگر ابن خزیمہ نے اپنی صحیح مین یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر سینہ پر رکھا تھا۔ اور حنفیون نے حضرت علیؑ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ آپنے فرمایا سنت سے یہ ہے کہ داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر زیر ناف رکھے اسپر عینی لکھتے ہین قلت ھذا قول علی بن ابیطالب و اسنادہ الی النبی غلط ص۱۵ جلد ۳

یعنی یہ قول حضرت علیؑ کا ہے اور اسکی نسبت رسول اللہؐ کیطرف غلط ہے۔

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ وضعی روایت کیون حضرت کیطرف منسوب کی گئی۔ اسی لئے کہ وہ بھی ہاتھ باندھنے مین شریک کرلئے جائین۔

پھر لکھتے ہین ولکن الذی روی عن علیؑ فیہ مقال لان فی سندہ عبدالرحمن بن اسحق الکوفی قال احمد لیس بشئ منکر الحدیث

یعنی جناب امیرؑ والی روایت مین یہ بھی کلام ہے کہ اوسکی سند مین عبدالرحمن بن اسحق کوفی ہے جسکے نسبت امام احمد کہتے ہین کہ وہ منکر الحدیث ہے اور لیس بشئ۔

میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ اس روایت سے وہ دست بردار ہوگئے ہون کیونکہ اسکا یہ جواب دیا کہ ابو داؤد نے اوس سے روایت کی۔ اور ابن حازم نے دوسری روایت نکالی جسکی غرض یہ ہے

کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہمارا عمل اسپر ہے۔

اس روایت اور اس تحقیقات عینی سے اسقدر تو آپکو یقیناً معلوم ہوا کہ محدثین اہلسنت نے ہواداری سلطنت مین کوئی کسر اوٹھا نہ رکھی اور ہر طرح کی کوشش کی کہ رسول اللہ کے نام سے بھی حدیثین گڑھین جناب امیرؑ کی طرف بھی وضعی حدیث کی نسبت کی جس مین وہ ایک حد تک کامیاب بھی ضرور ہوئے کہ مسلمانون کے ایک بڑی جماعت کی نماز کو خراب کیا اور قیامت تک ایک ایسا پھندا ڈال دیا جس سے نکلنا محال ہے۔

اب مین اس رسالہ کو ختم کرتا ہون اور بطور اتمام حجت یہ عرض کرتا ہون کہ برائے خدا اور رسول اپنی نماز درست کیجیے اور ہاتھ کھول کر نماز پڑھیے۔ جو طریقہ رسول اللہ تھا اور طریقہ اہلبیت اطہار اور طریقہ تمامی صحابہ و تابعین و امام مالک جو آجتک مالکیون مین رائج ہے۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہین و

وحکی بن المنذر عن عبد اللہ بن الزبیر والحسن بصری وابن سیرین انہ یرسلھما وکذلک عند مالک فی المشھور یرسلھما وان طال ذلک علیہ ووضع الیمنی علی الیسری للاستراحۃ ص۱۵

یعنی ابن المنذر نے عبد اللہ بن زبیر خلیفہ و صحابی اور امام حسن بصری

اور ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ اور مالک سے بھی روایت مشہور یہی ہے مگر بغرض استراحت وہ اسکی اجازت دیتے تھے اگر نماز مین طول ہو جائے تو داہنا بائین پر رکھے۔

کیونکہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے گا تو آپکو ہزارون دقتین پیش ہین۔ اولاً یہ کہ اگر سینہ پر ہاتھ باندھے گا تو گو مذہب شافعی مین جائز ہے۔ مگر حنفیون کے یہان ناجائز۔ اور دونون کا استدلال حدیث سے ہے۔ پھر امام شافعی کو یہ بھی شکایت ہو گی کہ ہمنے تو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی تھی۔ اور امام احمد بن حنبل علیحدہ ناراض ہونگے کیونکہ اونسے دو روایت ہے۔ اگر اس احتمال سے نکل گئے تو پھر یہ دقت ہے کہ کس طرح رکھے گا کیونکہ علامہ عینی لکھتے ہین کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی (کف دست) بائین ہاتھ کے گٹے پر رکھنا چاہیے۔ ابو یوسف کہتے ہین داہنے ہاتھ سے بائین ہاتھ کا (رسغ) گٹا پکڑنا چاہیے۔ محمد کہتے ہین اسی طرح رکھنا چاہیے (یعنی پکڑنا نہ چاہیے) مفید مین ہے کہ (رسغ) گٹے کو خنصر و ابہام سے پکڑنا چاہیے۔ یہی مختار ہے۔ درایہ مین ہے کہ کوع الیسر (جو نر انگشت اور خنصر کی طرف ہے) کو کف ایمن سے پکڑے۔ یہی قول احمد و شافعی ہے۔ ابو یوسف محمد کی ایک روایت یہ ہے کہ باطن اصابع کو رسغ پر طولاً رکھے اور نہ پکڑے

اور اکثر مشائخ نے اسکو مستحسن سمجھا ہے کہ باطن کف دست راست کو کف دست چپ پر رکھے اور خنصر و ابہام سے حلقہ باندھے رتمع پر ص۱۵ جلد ۳

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شریعت سہلہ سمحہ مین ایسی موشگافی ہو سکتی ہے حاشا وکلا یہ سب حنفیون کی ایجاد ہے جس سے شریعت اسلامی کی تضحیک و توہین ہوتی ہے۔

ان سب کے بعد عینی نے اسرار شریعت بتایا ہے چنانچہ لکھتے ہین

الوجہ الخامس فی الحکمۃ فی الوضع علی الصدر او السرۃ فقیل الوضع علی الصدر ابلغ فی الخشوع وفیہ حفظ نور الایمان فی الصلاۃ فکان اولی من اشارتہ الی العورۃ بالوضع تحت السرۃ وھذا اقول من ذھب الی ان السنۃ الوضع علی الصدر ونحن نقول الوضع تحت السرۃ اقرب الی التعظیم۔ وابعد من التشبہ باھل الکتاب واقرب الی ستر العورۃ وحفظ الازار عن السقوط وذلک کما یفعل بین یدی الملوک وفی الوضع علی الصدر تشبہ بالنساء فلا یسن ص۱۶ جلد ۳

کہ ہاتھ باندھنے کا کیا فائدہ ہے۔ سینہ پر ہاتھ رکھے گا تو یہ فائدہ ہے کہ اسمین نور ایمان کی حفاظت ہوتی ہے نماز مین۔ تو یہ اولی ہے بہ نسبت اسکے کہ ناف پر ہاتھ رکھکر اشارہ کرے طرف عورت (یعنی آلہ تناسل کیطرف) اور حنفی اسکا یہ فائدہ بتاتے ہین کہ زیر ناف رکھنے سے ایک فائدہ تو یہ ہے

کہ ستر عورت ہوتی ہے (کیا نماز بلا لباس کے ہوتی ہے) دوسرا فائدہ
یہ ہے کہ ازار (پائجامہ یا تہبند) کرنے سے محفوظ رہتا ہے جیسا کہ بادشاہوں
کے سامنے کیا جاتا ہے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تشبہ اہل کتاب سے کچھ بعد
ہو جاتا ہے۔ یہ سب فوائد ہیں زیر ناف ہاتھ باندھنے کے
اور چونکہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے عورتوں کی مشابہت ہوتی ہے۔
لہذا یہ مسنون نہیں ہے ص۱۶ جلد ۳

اس بیان سے اور بھی میرے دعوے کی تصدیق ہوئی کہ امام
ابو حنیفہ اسکے موجد ہیں کیونکہ وہ عجمی نژاد تھے شاہی آداب سے
واقف لہذا اوسی قیاس پر نماز کا خشوع قائم کیا جسمیں اونکو اہل
کتاب کے طریقے نے بھی مدد دی کہ وہ شاید سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے لہذا
انہوں نے زیر ناف رکھا کہ تشبہ اہل کتاب سے بھی علحدہ ہوں اور پھر
شاہی آداب بھی قائم رہے۔ یہ فوائد بھی حاصل ہوں کہ ہاتھ
عضو مخصوص پر رہے کیونکہ نماز سے بڑھکر کسوقت تخلیہ ہو سکتا ہے
بھلا شریعت کو ان اسرار و فوائد سے کیا واسطہ اوسکی تعلیم تو یہی ہے
ما اتیکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا جو کچھ تمکو رسول
دین اوسکو لے لو اور جس سے منع کریں اوس سے باز رہو۔ یہ کس خدا
نے کہا کہ تم اپنی رائے دوڑاؤ اپنی عقل اپنے قیاس سے کام لو۔ اسکی
تو ہزار ہا دفعہ ممانعت کی گئی ہے پھر آپ کون ہیں جو بادشاہ عجم کے
طریقہ کو جاری کرتے ہیں کہ دست بستہ کھڑے ہوں۔ اور اہل کتاب کا

طریقہ سیکھے ہین کہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہتے ہین اور اس سے نہین شرماتے کہ خدا کے سامنے کہان ہاتھ رکھتے ہین۔

اب شافعی اور حنفی کا فرق یہ نکلا کہ چونکہ شافعیون پر بقول حنفی زنا غالب ہے لہذا اونہون نے عورتونکی مشابہت اختیار کی۔

اور حنفیون کو اوسکے مقابلہ مین دوسری قوت شہوانی کے دبانے کی ضرورت تھی لہذا اونہون نے زیر ناف ہاتھ رکھا کہ ازار نہ کہل جائے

اور اصل نماز جو روح نماز ہے یعنی حضور قلب اوسکی کسیکو فکر نہوئی کیونکہ پہلے لکھ چکا ہون حضور قلب بغیر ارسال یدین یعنی بغیر ہاتھ کہولکر نماز پڑہنے کے ناممکن ہے۔

افسوس صد افسوس کہ اسلام کو ان لوگون نے کیسا ذلیل کیا کہ ایک نماز کو بھی اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے دیا جس سے اسلام کی استقامت ظاہر ہوتی اور اسکی فیاضی کہ ہر وقت ہاتھ کہلے ہوے ہین جسکی طرف خداوند عالم نے اشارہ فرمایا ہے بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

فھذا اخر الکلام فی ھذا المقام واللہ ولی

الانعام والصلوۃ والسلام علی رسولہ

والہ الغر الکرام ولعنۃ اللہ علی اعدائھم

الکفرۃ الفجرۃ اللئام فقہ الاحقر الاحقر

خادم الشرع الاطہر علی اظہر

حشرہ اللہ مع النبی والہ خیر

البشر

بندہ محمد حسن

بندہ محمد حسن جونپوری